شاہدِ معنی

نتیجۂ فکر

ماسٹر باسط بسوانی مرحوم

مرتبہ

قاضی ظہیر الدین احمد ظہیر بسوانی

زیر نگرانی

مولوی محمد عظیم واثق بسوانی

سنہ ۱۹۲۷ء

بار اول ایک ہزار

مطبوعہ دیو دیال پرنٹنگ ورکس دہلی

قیمت [illegible]



"خان بہادر قاضی عزیزالدین احمد سی-آئی-ای-او-بی-ای-آئی-ایس-او
دیوان ریاست دتیا"

فہرست مضامین

حمد و نعت

دینیات

اخلاق

مشاہدات فطرت

حسن و عشق

خاتمہ بالخیر



انتساب

اپنے ہم وطن عالی جناب خان بہادر قاضی عزیزالدین احمد
صاحب - او - بی - ای - آئی - ایس - او - فیلو آلہ آباد علیگڑھ
دہلی یونیورسٹی ممبر رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن دیوان ریاست
دتیا کے نام نامی و اسم گرامی پر جنھوں نے باشندگان بسواں میں سب سے
پہلے مختلف مضامین پر تقریباً پچاس کتابیں تصنیف کرکے شہرت
حاصل کی - اور اپنی قابلیت سے اعلیٰ مدارج ملازمت سرکاری طے
کئے اور معززترین خطابات حاصل کئے - بطور اظہار خلوص و محبت
اس ناچیز تصنیف کو معنون و منسوب کرنیکا شرف حاصل کرتا ہوں ؛

احقر باسط - بسوانی

تمہید

مجھے آج بیحد مسرت ہے کہ تائید ایزدی میری دلی تمنا بر آئی اور میں اپنے خیال کو عملی جامہ پہنا سکا یعنی شاعر خوش فکر حضرت باسط بسوانی کے کلام کے ایک حصّہ کو پبلک کے روبرو "شاہد معنی" کی صورت میں پیش کرنیکا موقعہ ہاتھ آیا۔ مصنف کی متعدد نظموں میں سے صرف اُن کو لے لیا گیا ہے جن کو اس وقت مناسب خیال کیا گیا۔ باقی انشاءاللہ کسی اور موقعہ پر ادب نواز حضرات کے ملاحظہ سے گزرینگی۔ ان میں کی بیشتر نظمیں مقبول عام ہو چکی ہیں۔

ہمدم دیرینہ کی حیثیت سے میں موصوف کی سوانح زندگی تعلیم و تربیت اخلاق و عادات۔ افتاد طبیعت غرضکہ کل باتوں سے واقف ہوں۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً گوش گزار کروں۔

آپ کا نام سید محمد باسط علی ہے۔ والد کا اسم گرامی منشی محمد نیاز علی قصبہ بسوان ضلع سیتاپور کو آپ کی وطنیت کا فخر حاصل ہے۔ شریف اور ذی علم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ابتدا میں اپنے جد امجد مولوی احسان علی صاحب سے قرآن شریف اور کتب دینیہ پڑھیں۔ آٹھ برس کا سن ہوگا کہ اُن کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ کے والد بھی خاک غربت میں آخری نیند

سوز ہے۔ اس کے بعد آپ کے عم نامدار سید محمد حسین علی صاحب
مرحوم نے آپ کو سیٹھ حبیب پال ہائی سکول بسولان میں داخل کر دیا اور
انہیں نے آپ کی کفالت اور پرورش کی سنہ ۱۹۰۷ء میں انٹرنس کا امتحان
پاس کر کے آپ نے اسی سکول میں ملازمت کر لی اور اب تک وہی سلسلہ
قائم ہے۔ ذاتی محنت سے انگریزی اور فارسی میں اچھی قابلیت بہم پہنچائی۔
چونکہ فطرت نے طبیعت موزوں عطا کی تھی۔ اس لئے ابتدا ہی سے
شعر فہمی اور شعر گوئی کا شوق تھا ورنہ اس وقت قصیدے کوئی خاص شگفتہ
اس قسم کی نہ تھی۔ بچپن میں پے بہ پے سانحات اور حوادث پیش آنے کی
وجہ سے طبیعت میں اور بھی سوز و گداز پیدا ہو گیا۔ مگر طالب علمی کے زمانہ
میں تخیلات موزوں کے اظہار کی بہت نوبت نہ آئی۔ صرف احباب
تک یہ بات رہی سنہ ۱۹۱۱ء میں اودھ پنچ لکھنؤ میں نظم یا مضامین چھپنے
لگے۔ علمی دنیا میں آنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ اور منشی سجاد حسین صاحب
مرحوم کے آخری دور ادارت میں برابر مضامین نظم و نثر لکھتے رہے سنہ ۱۹۱۲ء
سے آج تک آپ کی نظمیں متعدد رسائل علمیہ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔
زود گوئی اور پُرگوئی کا ملکہ حاصل ہے۔ عموماً رات کو آپ فکر سخن
فرماتے ہیں یوں کسی خاص وقت یا خاص موقعہ کے پابند نہیں۔ پہلو میں
دردمند و حساس دل رکھنے کی وجہ سے آپ کسی کی مصیبت دکھ درد سے
جلد متاثر ہوتے ہیں۔ اور جاننے والے جانتے ہیں کہ کن اسباب
کے تحت آپ نے کس کس عنوان سے سحر طرازی کی ہے۔ ریزہ رنشاب

گل بہ گلچین۔ نابینا۔ مجذوب کی بڑ۔ دل ہمدرد۔ اشک پرخوں۔ قومی گیت
کاسہ۔ پی کہاں۔ جوانا مرگی۔ عروس سوگوار۔ شیاما۔ مزار لیلا۔ حسرت دیدہ
پپیہے کی کوک۔ وغیرہ اسی قبیل کی نظمیں ہیں۔ آپ کا کلام سادگی، حسن بندش
شیرینیت اور کیفیت سے مملو ہے۔ اور عام طور سے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا
ہے۔ سچ ہے ع قبول خاطر و حسن سخن خداداد ست۔

شائع شدہ کتابوں میں اسوقت تک ایک ظریفانہ اخلاقی ناول میاں پوت ہیں
جس پر ہمدم لکھنؤ نقاد آگرہ۔ تمدن دہلی۔ اور دیگر اخبار و رسائل نے اچھے اچھے نام سے
ریویو کئے ہیں تین چار نظمیں یکجا برسات کا ترانہ کے نام شائع ہوئی ہیں جس میں
آپکی مشہور نظم "پی کہاں" بھی شامل ہے۔

طالب علمی کے زمانہ میں کچھ غزلوں پر مدرس فارسی مولوی فضل الٰہی صاحب مرحوم بسوانی
مشہور فارسی داں سے اصلاح لی ہے ۱۹۱۶ء میں شاعری حکیم محمد افتخار علی صاحب جگر شاگرد رشید
حضرت امیر مینائی کے زمرۂ شاگردی میں باقاعدہ داخل ہوتے۔ اُستاد سے محبت و
عقیدت کا اظہار ذیل کے قطعہ سے ہوتا ہے

میخانۂ امیر کے جو بادہ نوش ہیں ‏ ‏ ‏ بیخود کیا ہے جنکو مئے خوشگوار نے
کہتے ہیں جنکو اہل سخن حضرت جگر ‏ ‏ ‏ میکش کیا مجھے بھی انہیں افتخار نے

آپکی عمر اس وقت قریب ۳۴ سال کے ہے۔ صلح کل، بیحد خلیق و منکسر مزاج ہیں
زندہ دلی بات بات سے ٹپکتی ہے۔ سادی وضع رکھتے ہیں۔ گو درس و تدریس
کے علاوہ شعر و سخن ہی خاص مشغلہ ہے۔ مگر آپکا ذوق شاعری آپ کے فرائض منصبی کی
ادائیگی میں کبھی حارج نہیں ہوتا۔ آپکو اس کا کافی احساس ہے کہ ہر کام اپنے موقعہ و محل ہی پر اچھا ہوتا ہے

احقر قاضی ظہیر الدین احمد ظہیر بسوانی۔ تلمیذ حضرت جگر

تعارف

حضرتِ باسط بسوانی نئے لکھنے والے نہیں کہ تقریب وتعارف
کی ضرورت ہو۔ وہ ایک زمانہ سے لکھ رہے ہیں۔ اور تقریبًا تمام رسائل
وجرائد میں اُنکا کلام شائع ہوا ہے لیکن میرا اس رسم تعارف کو ادا کرنا
تو صرف اس بنا پر ہے کہ وہ میرے نہایت پُرخلوص دوست ہیں
اور میرا جی چاہتا ہے کہ اُن کے افکار منظوم کے ساتھ بھی میری
یاد شامل رہے ۔

اس مجموعہ میں جناب باسط کی غزلیں شامل نہیں ہیں بلکہ صرف
وہ نظمیں درج کی گئی ہیں جن کو Descriptive Poetry کے
تحت میں جگہ دیجا سکتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس میں
بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

حضرت باسط کے کلام میں یقینًا تخیل کی غیر معمولی بلندی، نادر
مضمون آفرینی یا خوارق ادب کی جھلک نظر نہ آئے گی لیکن سادگی
کے ساتھ دلنشین الفاظ میں مدعا کو ظاہر کر دینا جو شاعری کا حقیقی
عنصر ہے آپ کو ہر جگہ ملے گا اور باسط صاحب اپنی اس خصوصیت
پر بجا طور سے فخر کر سکتے ہیں۔

صفات انسانی میں تنہا وہ صفت جو ایک شخص کو شاعری کا اہل
بنا سکتی ہے اس کے قلب کا سریع التا   ہونا ہے اور حضرت

باسطؔ میں اس صفت کا وجود خود اُن کے کلام سے ثابت ہوتا ہے
پھر چونکہ تاثرات کی پوری توجہ صرف تغزلانہ شاعری Reminiscent
Poetry میں ظاہر ہو سکتی ہے اور جناب باسطؔ تغزلانہ تاثرات خریں
سے زیادہ پیچیدہ ہونے والا دل اپنے پہلو میں رکھتے ہیں۔ اس لئے
آپ دیکھیں گے کہ اس مجموعہ میں زیادہ تر حصہ اسی نوع کی شاعری کا ہے
اور انہیں جذبات کو آپ نے زیادہ کامیابی کے ساتھ نظم کیا ہے جو ایک
دردمند دل کے لئے سرمایہ حیات ہو کر مستقل ہو گیا ہے۔
یہ مجموعہ اس لئے شائع نہیں کیا گیا کہ اس سے کوئی مادی نفع
حاصل کیا جائے اور نہ اس کی کوئی شخص توقع کر سکتا ہے بلکہ اصل
مقصود صرف یہ ہے کہ اس وقت تک کے منتشر تاثرات یکجا ہو جائیں
اور اُن کے احباب اس کو "یادگار باسطؔ" کی حیثیت سے اپنے پاس
محفوظ رکھ لیں۔ اگر ارباب فن نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا تو اُن کا
شکریہ ورنہ احباب باسطؔ کے لئے تو صرف اسی قدر کافی ہے کہ
اس مجموعہ کو اس شخص سے نسبت حاصل ہے جو محبت و خلوص کا پیکر
اور صداقت اخلاق کا مجسمہ ہے۔

خاکسار

(مولانا) نیاز فتحپوری (ایڈیٹر نگار بھوپال)

مقدمہ

اعلیٰ معیار پر شعر کا پُر از حکمت یا حکمت آموز ہونا ضروری ہے عام معیار پر علامہ شبلی نعمانی کے بموجب جس کلام موزوں میں تخیل یا محاکات موجود ہو وہ شعر کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جو بات ایک شعر کو شعر بنانے کے لئے ضروری ہے وہ نظم کے لئے تو بحیثیت مجموعی بھی ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باکمال شعرا عموماً نظم کی طرف مائل نہیں ہوتے اور اسے شاعری کا ایک ادنیٰ درجہ خیال کرتے ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ کُل دنیا میں اُس کام کا معیار اُن کام کے کرنے والوں کے لحاظ سے قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ مرثیہ گوئی کسی زمانہ میں بہت ہی ادنیٰ درجہ کی شاعری سمجھی جاتی تھی اور عام طور پر لوگ کہتے تھے کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو ہو جاتا ہے۔ لیکن گذشتہ صدی کے بعض نامور شعرائے باکمال نے اس فن کو ایک نئے قالب میں ڈھال دیا اور میر خلیق و انیس، مرزا دبیر اور اُن کے بعد زمانہ حال کے بعض نکتہ رس اور بلند پایہ شاعروں نے فن مرثیہ گوئی کو اپنا مشغلہ زندگی بنا کر اس کا معیار بہت زیادہ بلند کر دیا اور آج گو کسی مشاعرہ میں معمولی درجہ کی غزل پڑھ دینا آسان ہے لیکن کسی مجلس میں معمولی درجہ کا مرثیہ پڑھنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ گویا غزل کا معیار جو فن شعر میں سب سے زیادہ بلند تھا وہ بھی مرثیہ کی بلندی کے سامنے پست ہو گیا۔

اسی طرح جناب اکبر مرحوم، علامہ اقبال، مولانا صفی لکھنوی اور دیگر باکمال شعراء نے نظم کی سطح اس قدر بلند کر دی کہ اب ہر کس و ناکس کو اس میدان میں طبع آزمائی کا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔

تاہم متمدن سے متمدن قوم سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس کے ہر شعبۂ زندگی میں کام کرنے والے ایک مقررہ معیار پر پورے اتریں۔ اگر بفرض محال یہ صورت کسی طرح پیدا بھی کر لی جائے تو ایسے حالات میں زندگی ایک خشک اور غیر دلچسپ مشغلہ ہو جائے گی جس کی رنگا رنگ دلفریبیاں اور بھانت بھانت کی باتیں فنا ہو چکی ہونگی۔

خود انگلستان جو ساری دنیا کی ترقیوں کا مرکز اور تمام علوم و فنون کا گہوارہ ہے اپنے کسی شعبۂ زندگی کے رطب و یابس سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور جہاں ٹینی سن اور کیٹس جیسے فلسفۂ قدرت کے ماہر ملٹن جیسے دنیائے روحانیات کی سیر کرنے والے اور شیکسپیر جیسے فطرت انسانی کے نباض شعراء نے اپنی اپنی بلند پروازیوں سے نئی اور پرانی دنیا کے ہر آشنائے علم کو شیدائی بنایا اور اپنی یادگار اس قدر زبردست قائم کر گئے کہ جتنی نسلیں گزرتی جاتی ہیں اُتنے اس کے نقوش گہرے ہوتے جاتے ہیں وہیں دوسری طرف ایسی ہستیاں بھی گزر رہی ہیں اور موجود ہیں جو فن شعر کو اسفل سے اسفل درجہ میں گھسیٹ لے گئی ہیں اور پھر ان

دونوں ابتدائی اور انتہائی مدارج کے مابین بکثرت درمیانی مدارج ہیں جن کے تنوع اور رنگا رنگی سے دُنیا کی دلفریبیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ادنیٰ مدارج کی موجودگی ہی اعلیٰ مدارج کی راہ دکھاتی ہے اور پستی کا وجود نہ ہو تو بلندی کے لفظ میں وہ معنویت ہی باقی نہ رہے۔

لیکن ترقی پذیر اور مائل بہ انحطاط اقوام کا فرق یہ ہے کہ اول الذکر کے مشاغل زندگی اور تفریح مذاق طبیعت سے کچھ نہ کچھ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور جہاں کہیں اس کے خلاف صورت ہوتی ہے وہاں تمام عمرانی اور مجلسی قوتیں مخالف ہو جاتی ہیں اور جو شخص اپنے مشاغل میں افتاد طبیعت سے مدد نہیں لیتا وہ ایک عام اخلاقی مقاطعہ کی کیفیت اپنے خلاف صف آرا دیکھکر اگر اُس مشغلہ کو بدلتا نہیں ہے تو کم از کم دوسروں کے لئے باعث عبرت ضرور بنجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اغلاط اور انسانی فروگذاشتوں سے قطع نظر۔ اس کی ہر انفرادی یا اجتماعی کوشش میں میلان ترقی ضرور پایا جائیگا۔ برعکس اس کے انحطاط پذیر اقوام اس تناسب سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں اور مشاغل زندگی کا تعین سطحی جذبات اور احساسات یا محض اتفاقات کے بموجب ہوتا ہے اور سب سے بڑھکر یہ ایک غیر منضبط اور بے اصول نظام معاشرت مشغلہ طبیعت کے تناقص پر نفرت کرنے کے بجائے اس میں اور معین ہوتا ہے چنانچہ اس کی ہر انفرادی یا اجتماعی کوشش اسے جادۂ ترقی

سے دور ہٹا دیتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے جن معیار اور اصول کی تشریح کی ہے اس کے بعد ہمیں کسی شاعر یا مصنف کے تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ اس کسوٹی پر کسنے سے ہر شخص ذرا سا غور کرکے کھرے کھوٹے کا اندازہ کر سکتا تھا۔ تاہم زبانِ اُردو کے ادبِ لطیف کی حوصلہ افزائی اور خدمت گذاری ایک قومی فرض ہے جس کے تقاضا کو مسترد نہیں کیا جا سکتا اور محض عام اصول پر لیکچر دیکر ہم اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

حضرت باسط بسوانی کی نظموں کا مجموعہ جو اس وقت "شاہد معنی" کے قالب میں ہمارے پیش نظر ہے۔ قدردان فن کے لئے کئی پہلو سے قابل توجہ ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ مندرجہ بالا معیار پر یہ نظمیں کس حد تک پوری اُترتی ہیں اس لئے کہ ان کے خدوخال اکثر غیر معین اور مبہم ہیں جن پر باریک اور تیز اوزار سے کھود کھرچنے کی ضرورت ہے لیکن شعبۂ نظم کی موجودہ عام پست حالت کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم کرکے مسرت ہوتی ہے کہ ترقی کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش مفقود نہیں ہے۔ اور اگر "شاہد معنی" میں کوئی اور خوبی نہ بھی ہو تو یہی مسلمان دنیائے ادب میں اُس کی سفارش اور ہمت افزائی کے لئے کافی ہے۔

شہری زندگی کی گوناگون دلفریبیوں اور رنگا رنگ ترقیوں سے الگ ایک دور افتادہ دیہات میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے دماغ سوز

اور ہمہ گیر کام میں مشغول آدمی کے فکرِ سخن کے رجحان کا اظہار بھی ایک
محیر العقول کارنامہ ہے اور اس لئے اگر آئندہ اوراق میں ہمیں وہ
بلند پروازیاں نہ نظر آئیں جو کسی مرکزی شہر کی متنوع زندگی کے
عملی تجربات اور آزمائشوں سے پیدا ہوتی ہیں تو ہمیں بالکل متحیر نہ ہونا
چاہئے اور نہ یہ اعتراض کرنا چاہئے کہ جہاں صبا رفتار ہوائی جہاز فضا
بسیط پر چکر لگا رہے ہیں وہاں ناقۂ لیلیٰ کی سست رفتاری کا ذکر
بے محل ہے یا جہاں نشر صوت کے لئے نئی نئی ایجادیں ہو رہی
ہیں وہاں "نالۂ عاشق کی نارسائی" کا تخیل جگر خراش ہے۔ اس لئے
جب بڑے بڑے زعمائے فن ابتک سانپ کی لکیر پیٹنے میں مشغول
ہیں تو آگے بڑھنے کی توقع کس سے کی جا سکتی ہے۔

"شاہد معنی" میں حمد و نعت، دینیات، اخلاق، مشاہدات، اور حسن و
عشق کے عنوانات کے تحت بیشتر نظمیں درج کی گئی ہیں اور ان میں کافی
تعداد ایسی نظموں کی ہے جن میں کچھ اشعار رفعتِ خیال اور ندرت کی کوشش
کا پتہ دیتے ہیں اور مصنف کے احساسات، عقائد، خصائل، عادات و
اطوار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک ذہین اور طباع آدمی جو ان اوراق کا مطالعہ
کریگا اس قسم کا بہت سا مواد جمع کر سکتا ہے۔

سرسری ورق گردانی میں مجھے "ردِ آہ"، "حقیقت حال"، "گور غریباں"، "درسِ عمل"،
"لن تنالوا" مقدمہ کتاب لکھ جانے کے بعد ذیل کی نظموں کا اضافہ ہوا ہے۔ رسول امین
صبحِ عید، ثریا دیدہ۔ اتحاد، تعلیم یتیم، تقسیم انعام۔ دل بیدار، ورزش، حبِ نقش قدم، بت سفاک، ظہیر

نابینا بھیا اجل ۔ اتفاق ۔ اور قومی گیت کے عنوان سے جو نظمیں لکھی گئی ہیں وہ خاصی موثر اور سبق آموز معلوم ہوتیں جن میں اگر شاعرانہ بلند پرواز یوں کی بہتات نہیں ہے تو قوائے ذہنیہ کے بانتیجہ استعمال کی علامات ضرور پائی جاتی ہیں اور یہ بات کچھ کم قابل قدر نہیں ہے۔

اسی طرح انوکھی لوری ۔ راز دنیا نہ ۔ حسرت دید ۔ اور پپیہے کی کوک والی نظموں میں کافی جذبات کا ابھار ہے اور احساسات کا عمق محسوس ہوتا ہے۔ جہاں کہیں تخیل ناقص رہ گیا ہے وہاں بھی وہ مادہ مفقود نظر نہیں آتا جو ہدایت و اصلاح سے اعلیٰ ترین ترقیوں کی راہ پر لگایا جاسکتا ہے

اس کے علاوہ "برسات" کی نظم میں روانی "انگور" کے ذکر میں لطافت "رنگ بہار" میں کیف خمار "شیانا" کا انداز ترنم یہ باتیں اپنی اپنی جگہ پہ ایک خاص دلکشی رکھتی ہیں۔

مندرجہ ذیل اشعار کا انداز بیان خاص طور پر موثر ہے:۔ ؎

جذبات دلی چشم گریاں سے جھلکتے ہیں ۔۔۔ دو کے نہ کوئی مجھکو اُمڈا ہوا دریا ہوں

لفظی تغیرات سے اس میں مزید ترقی کی گنجائش ہے لیکن جہاں تک شاعر کی کوشش نے اُسے پہنچایا ہے وہ بھی قابل داد ہے۔ ؎

دیکھیں نہ مجھے کیونکر ارباب نظر باسط ۔۔۔ نیرنگئ عالم کا دلچسپ خلاصہ ہوں

بہت پرانا خیال ہے لیکن نئے انداز میں ادا کیا گیا ہے۔ ؎

سیماب سے بڑھکر کچھ دل کی بیقراری ۔۔۔ دامان صبر جس سے ہو جائے پارہ پارہ

گو محض لفاظی ہے تاہم ترکیب اور رعایت لفظی داد طلب ہے۔

ہولی تن من پھونک ہی ہے دُور کھی گرد ہاری ہے قطعہ دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہے اور زخم جگر بھی کاری ہے
ہائے کیلی کھیل رہی ہوں ساری ڈوبی سا ہے خون تمنا رنگ بنا ہے آنکھوں کی پچکاری ہے

اس کے دونوں شعر گہرے جذبات کا پتہ دیتے ہیں اور کئی پہلو سے قابل داد ہیں۔

ہم اُن کو روتے ہیں گذرے جو سامنے اپنے ہمارے بعد جو آئیں گے ہم کو روئیں گے

صاف سا شعر ہے جو ایک نمایاں خصوصیت کی وجہ سے بہت لطف دے رہا ہے۔

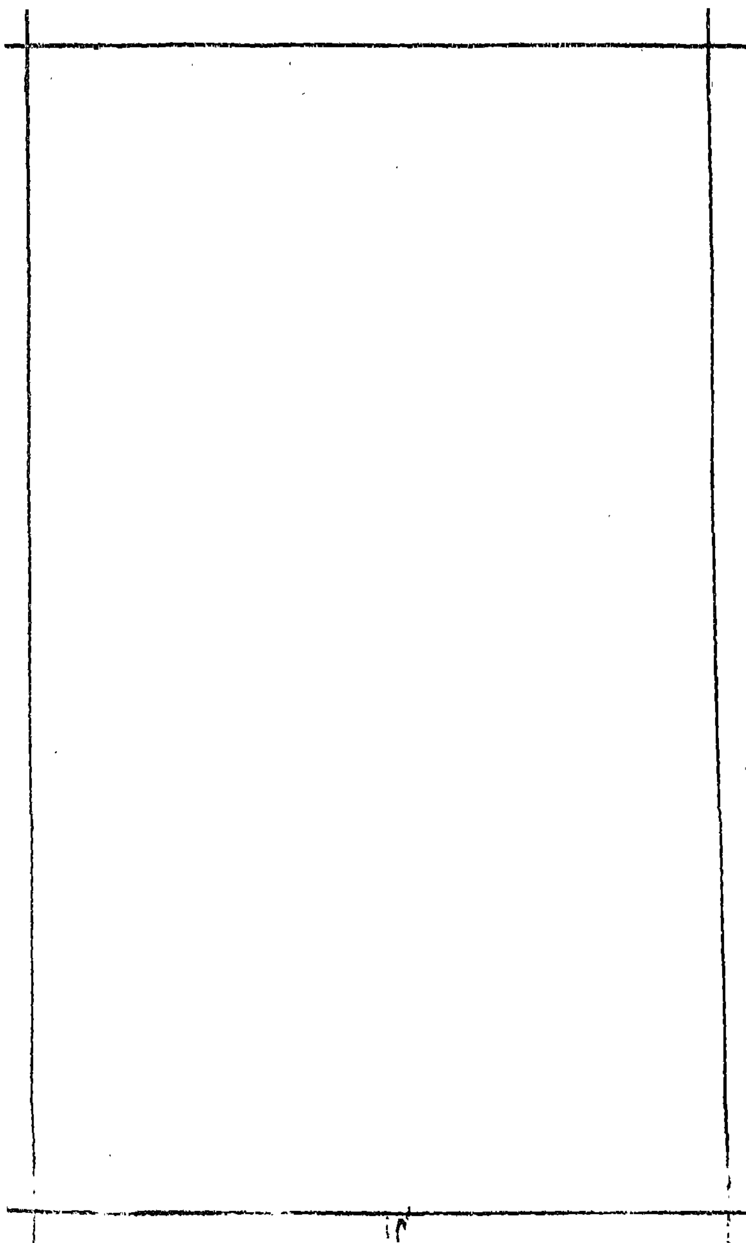
یہ اشعار انتخاب کر کے نہیں لکھے گئے بلکہ جیسا میں نے عرض کیا ہے سرسری ورق گردانی کا نتیجہ ہیں۔ اور یقیناً غائر نظر ڈالنے پر اس سے زیادہ اشعار ایسے ملیں گے جو کچھ نہ کچھ امتیازی خصوصیات رکھتے ہوں گے اور شاعر کو اپنے ہمعصروں میں باعزت جگہ دلا سکیں گے اور اصلاح و ترقی کے نصب العین کو سامنے رکھ کر ان کوششوں کو جاری رکھا گیا تو شہرت و ناموری کی منزل بہت دور نہ رہ جائے گی۔

مجھے امید ہے کہ جہاں تک پبلک کی قدر دانی کا تعلق ہے "شاہد معنی" کی پذیرائی میں کمی نہ کی جائے گی اور جن قدرا کے ذہن میں ترقی کی صلاحیت موجود ہے انہیں قوم کی سچی توجہی اور فرض میں غفلت شعاری سے کمزور و مضمحل نہ کرنا چاہیئے۔

حضرت گنج لکھنؤ۔ ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء

خاکسار

(چودھری) رحم علی الہاشمی (بی اے)

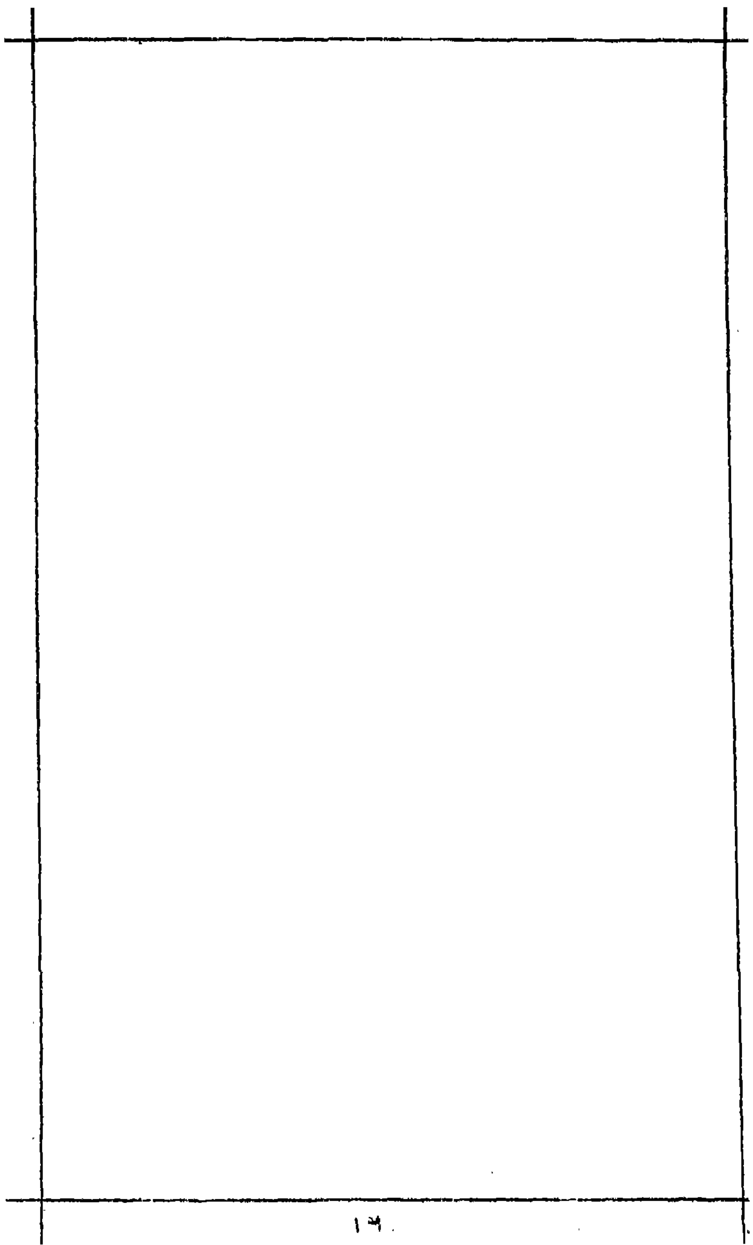


بادۂ فکر سخن سے مجھے مدہوشی ہے
غیرت حسن تکلم مری خاموشی ہے



" باسط ـ بسوانی "

حمد و نعت



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و نعت

حمد

کیا بشر سے حمد ہو اے خالقِ جن و بشری — فہم سے باہر ہے یا رب تیری شانِ برتری

کس زباں سے میں کروں اے کبریا تیری ثنا — تیری ذات پاک ہے ہر طرح عیبوں سے بری

تجھ سے صانع کی ہیں صنعت کا بیاں کیونکر کروں — تیری قدرت پر ہے شاہد خود تری کاریگری

ہیں تو اے خالق سراپا نقشِ حیرت بن گیا — تجھ سے نقاشِ ازل کی دیکھ کر صورت گری

تیری صنعت دیکھ کر کیا کیا زمیں چکر میں ہے — رقص میں رہتا ہے ہر دم گنبدِ نیلوفری

یاسمن نے پھول چاندی کے نمایاں کر دیئے — گل نے کھولی صحنِ بستاں میں دکانِ زرگری

لالۂ صحرا کو بخشا تو نے رنگِ دلپذیر — نرگسِ شہلا کو تو نے آنکھ دی جادو بھری

اے شہِ ہر دو سرا کیا ہے نظامِ سلطنت — کارخانہ میں ترے دیکھی نہ ہرگز ابتری

دن کو روشن ہے جہاں تو گستری شمس سے — رات کو ماہِ مبیں کی چار سو جلوہ گری

دلنشیں گلہائے رنگا رنگ سے ہے زمیں — انجمِ رخشاں سے ہے پُر نور چرخِ چنبری

سبزۂ نوخیز سے کچھ اور ہی عالم ہوا　　دست قدرت نے بچھادی ہر طرف مخمل ہری

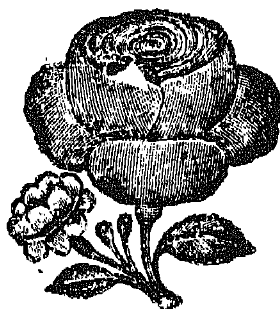
بندگانِ بیکس و ناچار سے پوچھے کوئی　　تجھ سے منعم کی ہے اُنپر کیسی بندہ پروری

کیا تری عاجز نوازی ہے کہ اے عاجز نواز　　چرخ ہفتم سے زمین بھی کر رہی ہے ہمسری

تو ہے سلطانوں کا سلطان تو شہنشاہوں کا شاہ　　تجھ کو زیبا ہے فقط اے میرے مولا سروری

تیری قدرت کے ہیں نمونہ شاہد اُنکے معجزات　　تو نے کی جنکو عنایت عزت پیغمبری

وجد میں آ کر یہ باسط کہہ اُٹھا اے رب پاک
نور وحدت کی ترے ہر شے میں ہے جلوہ گری



اے حُسنِ ازل تو ہے

شمشاد گلستاں کا تو قامت دلجو ہے　　پھولوں میں ہنسی تیری غنچوں میں تیری بو ہے
سنبل میں ترا خم ہے ہر گل میں تیری خو ہے　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

داغِ دل سوزاں ہو داغِ دل لالہ ہو　　وہ ماہ منور ہو یا ماہ کا ہالہ ہو
بلبل کی نوا سنجی یا گریہ نالہ ہو　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

مرغانِ خوش الحان کے آثارِ ترنم میں　　تقریر کے پردے میں انداز تکلم ہے
شبنم گہر ریزی، غنچوں کے تبسم میں　　مستور ہر اک شے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

کعبہ ترا مظہر ہے دیر بت پرفن بھی　　آہنگ موذن بھی ناقوس برہمن بھی
دشت و جبل و صحرا کہسار بھی معدن بھی　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

منظر ترے جلوہ کی دریا کی روانی ہے　　ہاں ہاں لب ساحل پر تیری ہی کہانی ہے

قطرہ بھی ترا شاہد گوہر بھی نشانی ہے　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

تو روز منور ہے تو ہی شب یلدا ہے　　تو آنکھ کی پتلی ہے تو دل میں سمایا ہے
گیسوئے معنبر میں ہمنے تجھے دیکھا ہے　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

حسن سہ کنعاں میں پنہاں ترا جلوہ　　تیرے ہی لئے مجنوں ہے شیفتۂ لیلا
شیریں کی اداؤں میں فرہاد ترا جویا　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

تو سرو و صنوبر میں تو سوسن و سنبل میں　　پیمانے میں ساغر میں تو جام میں تو مل میں
ہر سو ہے ترا جلوہ تو جز میں تو کل میں　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

تو کوہ میں پنہاں ہے تو کاہ کے پردے میں　　افلاک میں انجم میں تو ماہ کے پردے میں
تو عجز کی صورت میں تو جاہ کے پردے میں　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

تو باد میں آتش میں تو آب میں گل میں ہے　　تو نور بصارت میں تو آنکھ کے تل میں ہے
تو روح میں شامل ہے تو ہی مرے دل میں ہے　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

جو ہے وہ ترا شیدا اپنا ہو کہ بیگانہ　　عاقل ہو کہ سودائی مجنوں ہو کہ فرزانہ
دنیا تری وارفتہ یا سطح ترا دیوانہ　　مستور ہر اک شئے میں اے حسن ازل تو ہے

اے حسن ازل تو ہے

رحمۃ للعالمین

خاتم المرسلین رسول کریم — صاف باطن تھے پاک دل تھے تم
اللہ اللہ یہ تھی شان عطا — کبھی ہوتے نہ تھے کسی سے خفا
اور دیکھی اگر خطا کوئی — لطف فرما کے آپ نے بخشی
جب کسی سے قصور ہوتا تھا — رحم اس پر ضرور ہوتا تھا
کوئی خادم ہو یا رفیق کوئی — جود و بخشش سے بہرہ ور رہتے سبھی
کچھ ملامت اگر کبھی کرتے — تو اس انداز سے کہ دل نہ دکھے
پھر بھی تقریر کا اثر ہوتا — پند حضرت کا دل میں گھر ہوتا
کیا ہی دلچسپ ہے اُن کا بیان — شان لطف و کرم ہے جس سے عیاں
کسی خادم کی جب خطا پاتے — صرف اتنا حضور فرماتے

ڈر نہ ہوتا جو روزِ محشر کا
تجھ کو مسواک سے سزا دیتا



خُلقِ عظیم

بہت منکسر تھے رسولِ انام
تواضع میں بے مثل تھے لا کلام

برابر بٹھاتے تھے اصحابؓ کو
کوئی خاص ہوتا نہ تھا انتظام

تفوق کسی کو کسی پر نہ تھا
خیال مساوات رکھتے مدام

زمیں پر بصد عاجزی بیٹھ کر
تناول کیا کرتے تھے وہ طعام

دیانت کا چرچا تھا آفاق میں
رسولؐ امیں کہتے تھے خاص و عام

مدینے کی گلیوں میں حضرت اگر
ضرورت سے ہوتے کبھی خوش خرام

یتیم اور بیوائیں سب دوڑتیں
لپٹ جاتے قدموں سے لونڈی غلام

عقیدت سے دامن پکڑ کر وہیں
بتاتے انہیں دل کی حالت تمام

تسلی تشفی کا دیتے سبق
ہر اک سے محبت سے کرتے کلام

غریبوں کو رکھتے تھے بے حد عزیز
کہا کرتے تھے سید ذو الکرام

انہیں میں جیوں اور انہیں میں مروں
انہیں میں اٹھوں میں بھی روزِ قیام

الٰہی یہ یاسط کی بھی ہے دعا
کہ دنیا میں آئے غریبوں کے کام

دمِ مرگ ہو یاد دل میں تری
زباں پر ہو جاری محمدؐ کا نام



رسول امین

حبیب خدا خاتم المرسلیں — شہنشاہ عالم شہنشاہ دیں
ملے حق تعالےٰ سے معراج میں — زمیں سے گئے سوئے عرش بریں
ہو نام محمدؐ کی تعریف کیا — نبوت کا روشن ہے جس سے نگیں
فلک رتبہ کہتے ہیں اہل فلک — سمجھ پائیں کس طرح اہل زمیں
ہوا باعث خلق کون و مکاں — وہ خود گو کہ ہے لامکاں کا مکیں
بنے عرش و کرسی و لوح و قلم — ستارے قمر شمس ۔ چرخ بریں
نہ ہوتا اگر مصطفےٰ کا ظہور — زمیں ہوتی باستہ نہ اہل زمیں

محمدؐ سا دنیا میں کوئی امیں
نہیں ہے نہیں ہے نہیں ہے نہیں

دیانت میں مشہور تھے بالیقیں — لقب تھا اسی سے رسول امیں
چلے جبکہ مکہ سے ہجرت کی شب — مدینہ کی جانب شہ مرسلیں
امانت کا لوگوں کی آیا خیال — دیا حکم حضرت علیؓ کو وہیں
کہ اے شیر حق حیدر صف شکن — علی مرتضیٰ بازوے اہل دیں
امانت جو یہ اہل مکہ کی ہے — پہنچ جائے سب کو یہ طرز حسیں
جب اس کام سے تم کو فرصت ملے — مرے بعد آجانا تم بھی وہیں
یہ خوبیٔ نیت ۔ یہ حسن عمل — تصدق دل و جان و جاں خزیں

محمدؐ سا دنیا میں کوئی امیں ؟؟
نہیں ہے نہیں ہے نہیں ہے نہیں

مدینے میں گرینگی دیکھ لینا ہڈیاں میری

ہو توصیفِ نعتِ حضرت شاہ اس طرح یا رب زباں میری | کہیں صلِّ علیٰ سنکر فرشتے داستاں میری
گلِ مضمون کھلاؤ اس طرح طبع رواں میری | چمن میں ہو مقلد بلبلِ شیریں بیاں میری

قلم کہتے ہیں جس کو وہ ہے شاخِ گلفشاں میری

زباں پہ دل سے آکر رک گئی ہے داستاں میری | نہیں سنتا نہیں سنتا یہ ظالم آسماں میری
بُری حالت کیئے ہوئے ہے اب دردِ نہاں میری | مگر اک نالہ مجبور ہے مولا فغاں میری

مدد فرمایئے للہ شاہ انس و جاں میری

کہاں تک اے شہ والا جدائی کا میں غم کھاتا | کہاں تک آشہ والا دلِ مضطر کو سمجھاؤں
مرادِ دل دردِ اقابس سے یہی پاؤں تو یوں پاؤں | سوئے یثرب فورِ شوق میں جاؤں تو یوں جاؤں

کہ صورت پھر نہ دیکھے ساحلِ ہندوستاں میری

مری کشتی سوئے بطحا جو پانی پر رواں ہوگی | مسرت میرے دل کی میرے چہرے سے عیاں ہوگی
تلاطم سے زمیں جب ہم شریکِ آسماں ہوگی | ہوائے دل مری بادِ مراد بادباں ہوگی

کہ رحمت راہ میں ہر دم رہیگی پاسباں میری

تمنا جیسے دل کی مرے دل میں نہاں ہونگی | نہیں یہ غیر ممکن ہو عیاں ہونگی عیاں ہونگی
مری آنکھوں سے نہریں خون کی ہر دم رواں ہونگی | گریباں کی مرے ہاتھوں میں نگیں دھجیاں ہونگی

خبر لیتے رہیں گے بڑھ کے اہلِ کارواں میری

شہر یثرب عالی پہ اللہ کا فضل و کرم ہوگا — پھرونگا مثل پروانہ میں یوں طوفِ حرم ہوگا
نہ دل کا شوق کم ہوگا نہ دل کا جوش کم ہوگا — تمنائے مدینہ قلب میں آنکھوں میں نم ہوگا

مدد در پردہ فرمائیگا پھر جذبِ نہاں میری

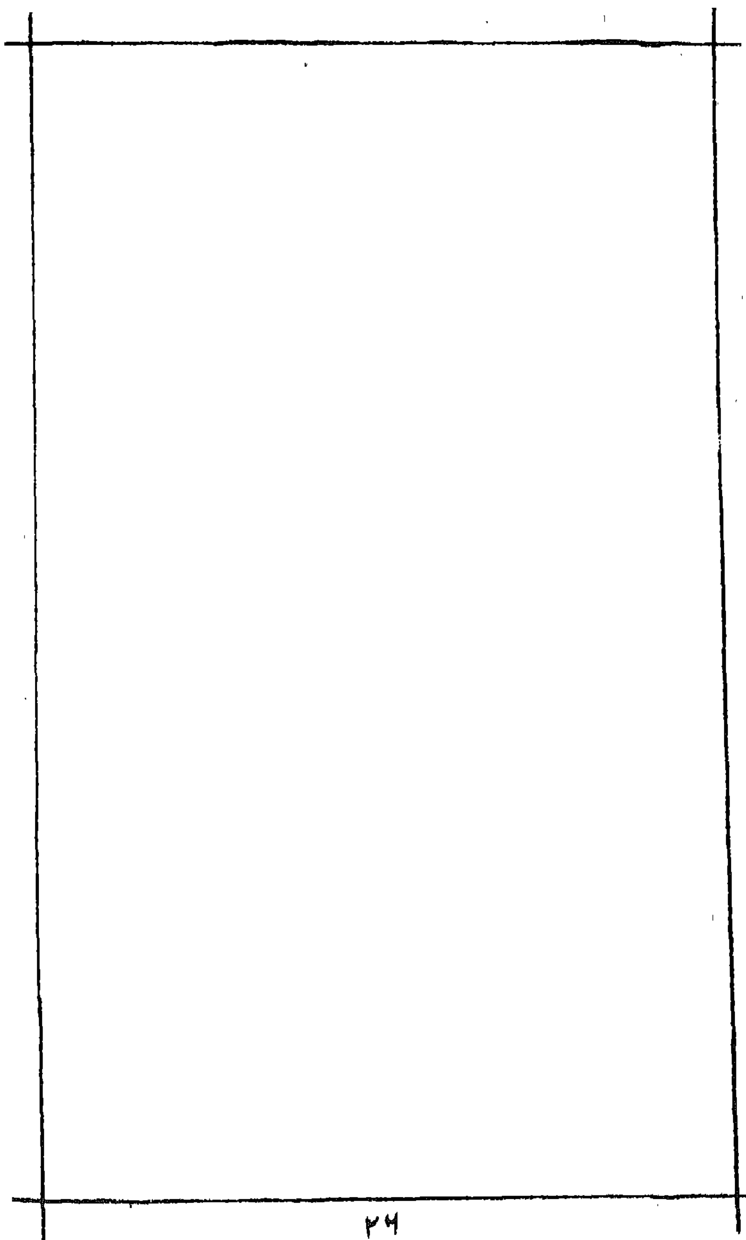
مری آنکھوں کے آگے جب مدینے کی زمیں ہوگی — تو خاکِ آستاں پر شوق سے رکھی جبیں ہوگی
تمنا پھر مجھے جینے کی اے باسط نہیں ہوگی — یہی اک حسرتِ دیرینہ میرے دل نشیں ہوگی

فدائے روضۂ اطہر ہو جانِ ناتواں میری

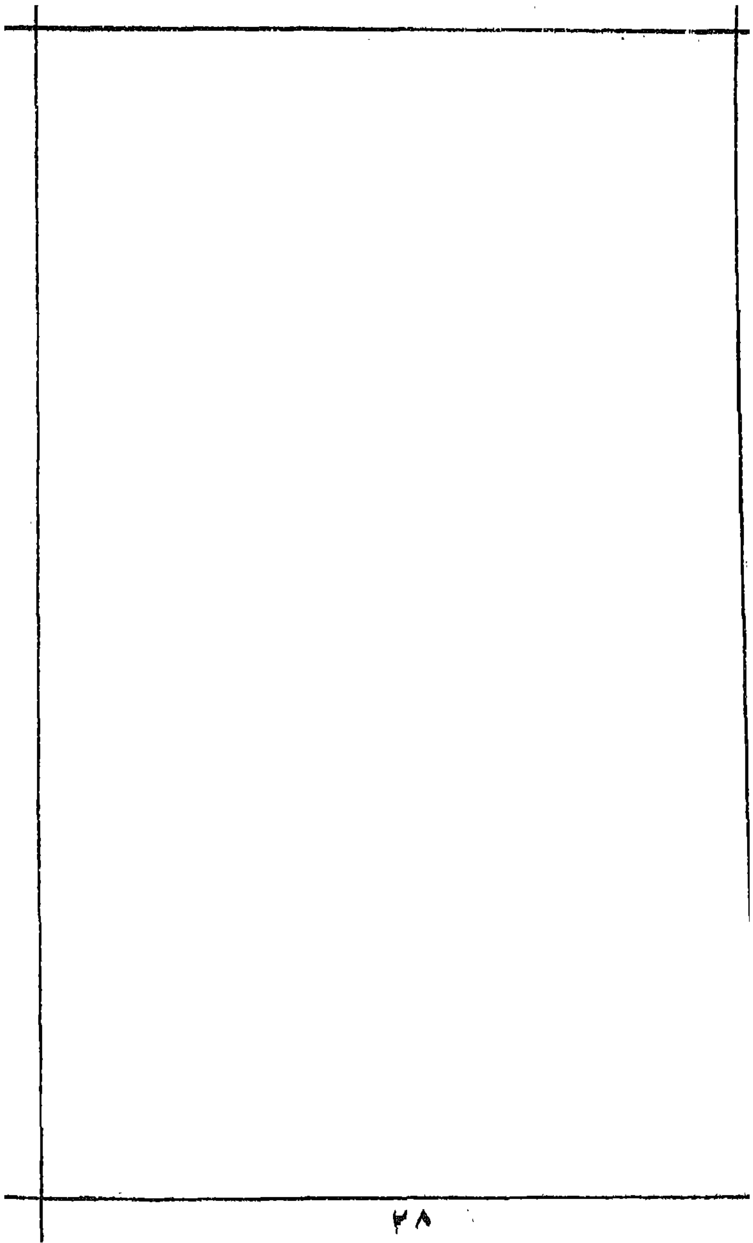
نہیں کچھ اس میں شک باسط کہ غرقِ بحرِ عصیاں ہوں — غریب و مفلس و بے توشہ و بے ساز و ساماں ہوں
خیالِ بے زری سے گو بظاہر کچھ پریشاں ہوں — مگر دل تو گواہی دے رہا ہے کیوں نہ شاداں ہوں

مدینے میں گریں گی دیکھ لینا ہڈیاں میری





دینیات



دینیات

اللہ اکبر

بتاؤں تم سے کیا شے نعرہ اللہ اکبر ہے — ہوا ہوں تر زباں باسط کہ ذکر رب تر ہے

یہی لازم ہے صبح و شام ورد اس کا برابر ہو — سراسر پاک ہو جائے زباں جو اسکی خوگر ہو

صدا یہ وہ ہے جس پر اہل دل کو ناز ہوتا ہے — یہی وہ سوز ہے جس کا نتیجہ ساز ہوتا ہے

یہ وہ ہے نور ظلمت میں جسے پھر عرب لایا — یہ اسم پاک ہم تک سید امی لقب لایا

خدا جانے یہ کیا تھی بات اس اللہ اکبر میں — کہ جس نے نور حق پھیلا دیا دنیا کے گھر گھر میں

عرب سے چار سو عالم میں یہ تنویر پہنچی ہے — جبل میں کوہ میں صحرا میں یہ تکبیر پہنچی ہے

ہزاروں آج یورپ میں ہیں اس کے جاننے والے — کروڑوں ایشیا افریقہ میں اسکے ماننے والے

یہ مسلم چین کیا ہندوستاں میں بھی فخر عالم ہیں — خدا رکھے ابھی تا حشر قائم ہند میں ہم ہیں

یہی تکبیر مسلم کیلئے ہے جنگ کا کھٹکا — جسے سن سن کے کافر مرغ بسمل کی طرح پھڑکا

قدم اکھڑے ہوئے جم جائیں بیشک وہ صدا یہ ہے — نہ ہو کیوں اس میں یہ طاقت کہ ہاں اسم خدا یہ ہے

تعجب کیا جو دشمن سن کے یوں بیتاب ہوتا ہے — کہ شیروں کا بھی زہرہ اس صدا سے آب ہوتا ہے

لرزتے گونجتے ہیں سر بسر کہسار کیا کہنا — سنو اللہ اکبر کی ذرا تکرار کیا کہنا

موذن نے وہ ذکر خیر سے اپنی زباں تر کی — صدا مسجد سے وہ آنے لگی اللہ اکبر کی

ابھی کوشش کے لیلیٰ پردۂ محمل سے نکلے گی
مزا دے جائیگی جس وقت باسط دل سے نکلے گی

میری پیاری مسجد

ترا پیاری مسجد کروں کیا بیاں — تو ہے خانۂ خالقِ دو جہاں
یہاں پر برستا ہے وحدت کا نور — نمایاں ہے شانِ خدائے غفور
تو ہے ہمسر آسماں بے گماں — بہی خواہ تیرا ہے عرش آشیاں
مبارک ہیں بیشک یہ دیوار و در — یہاں ہے فرشتوں کا ہر دم گذر
عجب شان ہے تیری محراب میں — زباں بند ہے میری اس باب میں
ہیں گنبد ترے گنبد آسماں — خدا کی ہیں قدرت کا بیشک نشان
عجب شان ارفع ہے مینار کی — بلندی وہ ہے چرخ دوّار کی

غرض ہر طرف نور ہی نور ہے
کہ تو نور خالق سے معمور ہے

نمازی ترے عاشق زار ہیں — خدا کی محبت کے بیمار ہیں
ہر اک کو یہاں ہے عبادت سے کام — ریاضت ہے مطلب اطاعت ہی کام
نمازی ادب سے ہیں آئے یہاں — دل غمزدہ کو بھی لائے یہاں
نہیں انکو پروا کسی فکر کی — ہے اس وقت خواہش فقط ذکر کی
عبادت کو دل سے وہ تیار ہیں — شراب محبت سے سرشار ہیں
وضو سے اگر ایک فارغ ہوا — تو ہے منتظر دوسرا بھی کھڑا

صفیں بندھ گئیں ایستادہ ہیں سب — سمجھتے ہیں اپنے کو اب مقتدی سب

ہیں سب ایک ہی صف میں شاہ و گدا — برابر ہے ہر بندہ پیش خدا

نظر آ رہے ہیں غریب و امیر — کہیں پر نمایاں ہیں برنا و پیر

پرانی روش کے جو استاد ہیں

نئی روشنی کے بھی آزاد ہیں

امام مصلے پہ جو قاری ہوا — تو ذکر خدا و ثنا جاری ہوا

ہر اک کی زبان پر ہے حمد خدا — کہ بیشک ہے تو مالک دوسرا

تو معبود ہے تو ہی مسجود ہے — ہر اک شئے میں یارب تو موجود ہے

کبھی دست بستہ ہے تعظیم کی — کبھی جھک کے خالق کی تکریم کی

کبھی سر بسجدہ ہیں با ذوق و شوق — عبادت کا ڈالے ہیں گردن میں طوق

مودب کبھی بیٹھکر اے خدا — تری حمد کرتے ہیں وہ برملا

عبادت سے جب وقت فارغ ہوئے — اٹھے ہاتھ سب کے دعا کے لئے

کہے تجھ سے سب نے مطالب سبھی — ترے آگے رو کے ہوئے ملتجی

روانہ ہوئے پھر سوئے کار دنیا — مزے سے گذرتے ہیں لیل و نہار

تجھے وقت پر یاد کرتے ہیں وہ — ترے نام پر دل سے مرتے ہیں وہ

یہ ہے عرض یا رب خدائے کریم — دکھا دے اسے اب رہ مستقیم

پڑھے دل سے وہ پنجگانہ نماز

تجھی سے رہے صرف راز و نیاز

روزہ

اک محبِ باصفا نے ایکدن مجھ سے کہا
عرض میری آپ سے یہ ہے کہ نا ہیں جناب

آج مجھ عاجز کے گھر پہ آپ روزہ کھولئے
بندۂ ناچیز پر احسان ہوگا بے حساب

عرض کی میں نے عبث تکلیف فرماتے ہیں آپ
یوں نہ کچھ انکار ہے مجھکو نہ مجھے ہے اجتناب

مہربان بتلاؤں کیا میں عذر خواہی کا سبب
خوف یہ ہے حضرتِ دل کی نہ عادت ہو خراب

عذر میرا کچھ نہیں میرے مکرم نے سُنا
لے گئے آ کر مجھے قبلِ غروبِ آفتاب

دیکھ کر منظر وہاں کا میری آنکھیں کھل گئیں
میز پر کتنی چنی تھیں نعمتیں با آب و تاب

کرسیوں پہ جلوہ فرما ہمدم و ہمراز تھے
کام اپنا کر رہی تھی خوب چشم انتخاب

تشنگی سے ناز پروردہ کوئی بے چین تھا
تھا اذاں کا منتظر باقی رہی تھی اب نہ تاب

آ گئی کانوں میں وہ اللہ اکبر کی صدا
دیکھئے وہ دستِ روزہ دار وہ حلوے کی قاب

شکر خالق کر کے میں نے بھی بڑھایا ہاتھ کو
روزہ کھلوا کر کھائی افطاری بھی با چشم پر آب

دیکھنے والوں کو شاید یہ گمان ہوتا رہا
مجھ گرسنہ دل کو دامنگیر ہے شرم و حجاب

کوئی قلبِ مضطرب کے حال سے واقف نہ تھا
کھل نہ سکتا تھا کسی پہ میرے دل کا اضطراب

ہمکو دنیا تھا وہاں خونِ جگر شربت کا لطف
سوختہ دل پہلوِ سوزاں میں تھا جائے کباب

کھل گئی تھی باسط آئی چشمِ باطن اس گھڑی
سامنے رکھی ہی تھی لا کر دل نے دنیا کی کتاب

حیف اک وہ ہیں جنھیں قطرہ نہیں پانی نصیب
ایک وہ ہیں پیتے ہیں جو شربتِ قند و گلاب

حیف اک وہ ہیں نہیں جنکو میسر نانِ خشک
ایک وہ ہیں جنکے آگے ہیں غذائیں بے حساب

پھر بھی ہیں پابند فرض مذہبی ہم سے سوا
اس قدر ہیں اُن پر افضال خدائے لاجواب

بھوک کیا ہم سے سوا ان کو نہیں کرتی نحیف
پیاس کے ہاتھوں نہیں ہوتا نہیں کیا اضطراب

اُف بھی تو آگے ہمارے کر نہیں سکتے غریب
تا نہ آجائے ہمیں اُن زیر دستوں پر عتاب

آج جو چاہے وہ کرلے بندۂ مغرور تو
کل تجھے ہوگا مگر ہر بات کا دینا جواب

پرسش اعمال جب ہوگی نہ کچھ بن آئیگی
ایسا ویسا دن نہیں ہے اے بشر روز حساب

باب جنت روزہ داروں کے لئے کھل جائیں گے
تارک روزہ وہاں کھائینگے لاکھوں پیچ و تاب

غزل (صبح عید)

پیماں شکن کو یاد ہو پیمان صبح عید
پیمان صبح عید ہو عنوان صبح عید

وہ قتل کر رہے ہیں مجھے آج اس لئے
رنگیں ہو میرے خون سے دامان صبح عید

ملتی ہے زلف یار اگر شام عید سے
چہرہ ہے یار کا رخ تابان صبح عید

رنگیں لباس اُن کا ہے دامن میں پھول ہیں
سامانِ شب وصال ہے سامان صبح عید

باسط وہ رشک گل مئے عشرت سے مست ہے
سنتا ہے تیری کون غزل خوان صبح عید

ہلالِ عید

اے مومنو مبارک ۔ دیکھو ہلال چمکا — وہ ماہِ عید چمکا ۔ وہ خوش جمال چمکا

درخشندہ پہلے وہ چمکا ۔ فرخندہ فال چمکا — وہ بے نظیر چمکا وہ بے مثال چمکا

رہ رہ کے کر رہا ہے کیا کیا وہ جلوہ ریزی

روشن ہے صاف مطلع اللہ ری نور بیزی

نازک بدن وہ دیکھو ننھی سی جان دیکھو — لیکن ہے کس قیامت کی آن بان دیکھو

شوکت ہو اسکی اعلیٰ ۔ ارفع ہے شان دیکھو — وہ ہے ہلال سیمیں ۔ تم آسمان دیکھو

کیسا ہے جلوہ اُس کا کیسا جمال اُس کا

ہے بدر سے بھی بڑھ کر یا سطح کمال اُس کا

اے ماہ نو یہ تجھ میں کیا شان دلبری ہے — کہتا ہے اک زمانہ تو حور ہے پری ہے

تیرا ہزار جان سے ہر ایک مشتری ہے — ہر شاخ دل جہاں میں تجھ سے ہری بھری ہے

تو چرخ پر ہے لیکن کشتِ امید ہے تو

اتنا قریب ہے تو جتنا بعید ہے تو

ظاہر ہی تیرے خم سے بیشک نشانِ ابرو — کس مہ جبیں کی تو ہے بتلا کمانِ ابرو

پاتا ہوں ہر طرح کی میں تجھ میں شانِ ابرو — تشبیہ اور اب سُن ۔ روحِ روانِ ابرو

بن کر ہلال چمکا تو چرخ چنبری میں

کشتی رواں ہے سیمیں یا بحرِ اخضری میں

حسن و جمال اپنا اک دو گھڑی دکھا کر | نظروں سے چھپ گیا تو آخر کو جھلملا کر
کوئی غزالِ رعنا جس طرح آ گئے آکر | چھپ جائے دم زدن میں حدِّ نظر سے جا کر

کیسی سرور افزا یہ نور کی جھلک تھی

مومن ہیں مست بیخود کیا طور کی جھلک تھی

اہلِ جہاں نے تجھکو بیشک حسین پایا | مہ وش تجھے بتایا ہاں مہ جبین بتایا
زاہد نے تجھکو دیکھا تو حورِ عین بتایا | عشاق نے جو دیکھا محمل نشین بتایا

دیدار کر کے تیرا ہے شاد ایک عالم

ہے دم قدم سے تیرے آباد ایک عالم

عنوانِ شادمانی تمہیدِ عید تو ہے | قفلِ درِ خوشی کی بیشک کلید تو ہے
تو جانِ آرزو ہے دل کی امید تو ہے | لیکن یہ کیا قیامت ہم سے بعید تو ہے

للہ پاس آجا اے میرے دور والے

تجھ کو گلے لگا لوں نورِ ظہور والے

عیدِ طرب کا ہم تک پیغام لانے والے | اچھی گھڑی کا مژدہ ہم کو سنانے والے
در پردہ ہمکو اپنی شوخی ہمکو جتانیوالے | چھپ کر شفق میں پیاری صورت دکھانیوالے

ہوتا رہے تجھے یوں حسن و جمال حاصل

بعد از زوال تجھ کو پھر ہو کمال حاصل



"نغمۂ عید"

ساقی کا فیضِ عام ہے　　زریں چھلکتا جام ہے
اب دخترانہ رام ہے　　پینے سے مجھکو کام ہے

پُر ساغرِ بلور ہے　　خونِ نابۂ انگور ہے
دل شاد ہے مسرور ہے　　رنج و محن سب دور ہے

ہر سمت جشنِ عام ہے　　ہاں عید اس کا نام ہے
جو شخص ہے خوشکام ہے　　کیا صبح ہے کیا شام ہے

ویراں دل آباد ہیں　　اپنی جگہ سب شاد ہیں
غم سے سبھی آزاد ہیں　　عشرت کے نغمے یاد ہیں

ساقی کرم فی الفور ہو　　للہ پھر اک دور ہو
محفل کی رنگت اور ہو　　پھر بزمِ جم کا طور ہو

ساقی وہ فیض عام ہو
گردش میں پیہم جام ہو

زاہد مرا خوش کام ہو
چوکھی مئے گلفام ہو

یہ روز روزِ عید ہے
ارمانوں کی تجدید ہے

غلبی یہی تاکید ہے
پھر گلرخوں کی دید ہے

زاہد اگر مخمور رہے
حسرت دل سے دور رہے

رندوں کا دل مسرور رہے
اس دن کا یہ دستور رہے

سیر گلستاں اک طرف
گلبازِ خوباں اک طرف

سب ساز و ساماں اک طرف
کچھ گل بداماں اک طرف

وا ہے گریباں اک طرف
مصحف نمایاں اک طرف

الجھا ہے داماں اک طرف
زلف پریشاں اک طرف

ہم آج بھی مجبور ہیں
جیتے جو ہیں معذور ہیں

اُس جانِ جاں سے دور ہیں
مرتے نہیں، مجبور ہیں

گلشن کا ساماں اک طرف
بلبل ہے نالاں اک طرف

محفل ہے نازاں اک طرف
باشتط غزلخواں اک طرف

صبح عید

رنگ چمن بنا ہے گریباں صبح عید — دامانِ گل سے کم نہیں دامان صبح عید

کیا شئے ہے کیا کہوں رخ خنداں صبح عید — گویا بہار پر ہے گلستان صبح عید

بھولا نہ رات بھر مجھے عالم ہلال کا — اس کا ظہور شام تھا اعلان صبح عید

دشمن ہوں یا کہ دوست گلے آج سب ملیں — جاری ہوا یہ دہر میں فرمان صبح عید

کاٹی ہے انتظار میں میں نے تمام رات — پیش نظر تھا شام سے سامان صبح عید

ہر شئے سے کیوں نہ رحمت حق کا ظہور ہو — یہ شان صبح عید یہ سامان صبح عید

حاصل ہوا ہے آج مجھے انبساط روح — سو جان سے ہے دل مرا قربان صبح عید

سر خود بخود جھکا مرا سجدے کے واسطے — واللہ مرے سر پہ ہے یہ احسان صبح عید

تارے شعاع مہر ہیں سطریں بیاض کی — سرخی شفق کی صاف ہے عنوان صبح عید

بخشش خدا کی آج ہے ہر روزہ دار پر — معمور نعمتوں سے ہوا خوان صبح عید

کیا دلفریب اسکی ہیں رنگیں ادائیاں — پھولوں سے ہے بھرا ہوا دامان صبح عید

ہاں لوٹتا ہے آج اسے دولت وصال — باسط ہے کس ادا سے ثنا خوان صبح عید



برقِ طور

جلایا خرمنِ ہستی مرا برقِ تبسم نے　　تماشا طور کا دیکھا ہے مشتاقِ تکلم نے
کیا بے خود سراپا لن ترانی کے ترنم نے　　ستم کیا کیا کئے عاشق پہ اندازِ ترحم نے

پتہ ملتا نہیں کس شوخ کو جلوہ نما دیکھا
کوئی موسیٰ سے پوچھے آپ نے دیکھا تو کیا دیکھا

ہوئے غش ہائے کوہِ طور پر یوں دیکھنے والے　　نہیں ہے تابِ نظارہ پڑے ہیں جان کے لالے
کبھی آہیں دل ناکام کرتا ہے کبھی نالے　　اثر کیا سحر کے اس برق وش کے حسن نے ڈالے

گرا پردہ تو موسیٰ اپنا دامن جھاڑتے اُٹھے
ستم یہ اور بھی دیکھا گریباں پھاڑتے اُٹھے

سمایا ایسا آنکھوں میں کسی کا نور کیا کہنا　　کہ موسیٰ کہہ رہے ہیں جلوۂ مستور کیا کہنا
جلائے سینکڑوں گھر لے چراغِ طور کیا کہنا　　دکھانا کھل کے جلوہ بھی نہیں منظور کیا کہنا

مری قسمت کہاں یہ تھی کہ قصہ پاک ہو جاتا
جگہ آنکھوں میں ملتی طور کی میں خاک ہو جاتا



حقیقتِ حال

وہ اپنا عہد زریں وہ ارض پاک یثرب
نازل تھے ہم پہ یارب افضال ذوالجلالی

اُمّی لقب وہ ہادی وہ ناخدائے عالم
کشتی بھنور سے جس نے یثرب کی آ نکالی

مشرق سے جب بڑھے ہیں سیل رواں کی صورت
مغرب کی سرزمین کی سب خاک چھان ڈالی

تھے رہبر زمانہ۔ تھے عالم یگانہ
بنیاد جہل ہم نے دنیا سے کھود ڈالی

مے قرطبہ کی پائی کچھ ایسی روح پرور
مغرب توڑ ڈالے سب جام پر لگالی

تھا اتفاق ہم میں۔ ایثار پر تلے تھے
مشہور تھی ہماری دنیا میں خوش خصالی

یہ انقلاب عالم۔ نیرنگی زمانہ
اب خواب ہو گئی ہے وہ اپنی بے مثالی

ہاں وہ عروج اپنا ہاں یہ زوال اپنا
وہ رشک بدر صورت یہ صورت ہلالی

چونکا رہی ہیں ہم کچھ اہل درد کیا کیا
غفلت نے تمکو بخشی لیکن فراغبالی

کس درد سے بھرا ہے اقبال کا ترانہ
کس سوز سے ہے مملو اکبر کی خوش مقالی

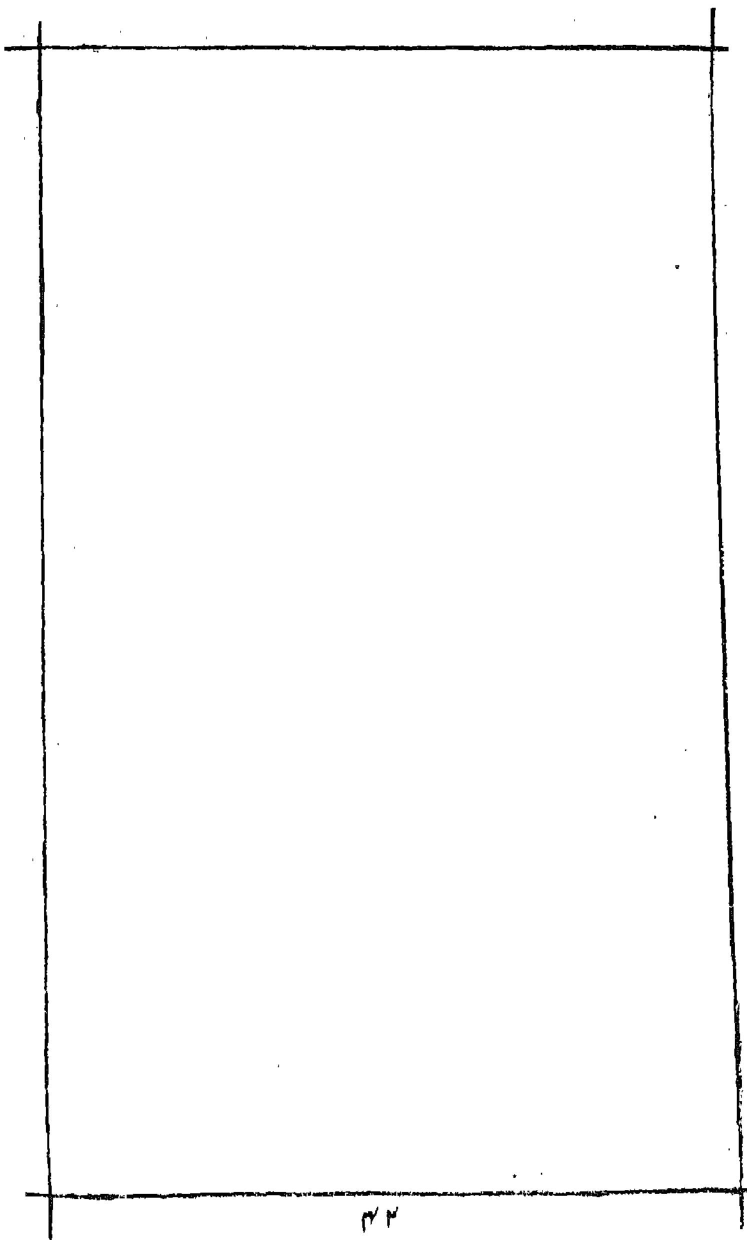
اپنے کو تم مٹاؤ لیکن ذرا یہ سوچو
روئیگا کون تمکو شبلی رہے نہ حالی

ہاں عزت سلف کو زندہ کرو جوانو
زریں بنا دو پھر تم یہ ساغر سفالی

اے قوم خاک گشتہ بیدار ہو خدارا
اب بھی ہے تجکو باقی کچھ شوق پائمالی

باقی کہاں سخن میں شیرینی ظرافت
کچھ سوز سے ہے مملو باسط کی خوش مقالی

اخلاق



اخلاق

گورِ غریباں

سوئے گورِ غریباں لے گئی دل کی پریشانی
وہاں وہ ہُو کا عالم تھا بڑھا دی جس نے حیرانی

اداسی چھا گئی دل پر عجب منظر نظر آیا
بیاں شہرِ خموشاں کی کروں کیونکر میں ویرانی

عزیزوں کے بہت ٹوٹے ہوئے مدفن وہاں دیکھے
کہ عبرت کر رہی تھی رو کے جن پر مرثیہ خوانی

بزرگانِ خلائق کی شکستہ کتنی قبریں تھیں
جو پہنچاتے رہے تھے عمر بھر پیغامِ ربانی

وہی سر ٹھوکریں کھاتا ہوا مجھ کو نظر آیا
کہ جس پر فخر سے برسوں رہا تھا تاجِ سلطانی

جہاں لرزاں تھا جس کے خوف سے کل اے دلِ غمگیں
پڑا تھا خاک کے نیچے وہ نادر شاہ درانی

ملے تھے خاک میں جمشید و دارا و سکندر بھی
بہت سے قیصر و فغفور ۔ اکبر شاہ ایرانی

نہ وہ جاہ و حشم تھا اب نہ انکی شوکت و عظمت
جہاں میں رہ گئی تھی جتنی تھی انکی جہانبانی

کہیں تھا کوئی بیگانہ وہاں زیرِ زمیں پنہاں
کہیں پوشیدہ دیکھا ہے اپنا دشمنِ جانی

رسائی جن شہنشاہوں تک نا ان کی مشکل تھی
انہیں کی گور پر روباہ تھی مشغولِ دربانی

وہیں پر اک جگہ تھی لیلیٰ محمل نشیں سوتی
وہیں پر تھی اک جا گورِ مجنوں کی بھی پہچانی

وہیں پر خوابِ شیریں کا فرد شیریں بھی لیتی تھی
وہیں پر اک جگہ تھی قبرِ فرہادِ بیابانی

لبِ لعلیں کا انکے اب نشاں ہمکو نہیں ملتا
کیا کرتے تھے جو معشوق ہنس ہنس کر گل افشانی

پڑے خاموش تھے کچھ شاعرِ رنگیں طبیعت بھی
ملا تھا خاک میں سب عمر کے دعوئ زباندانی

نہ تھا خم ایک مشتِ خاک کچھ حاتم کی تربت پر
کیا کرتا تھا باراں کیطرح جو گوہر افشانی

ہزاروں زشت صورت ملگئے تھے خاک مرقد میں
ہوئے تھے نذر مٹی کی کروڑوں ماہ نورانی

یہ منزل وہ ہے جس میں تشنہ لب اک روز جانا ہے
سراب دہر کو دھوکے سے کیوں سمجھے ہو تم پانی

اٹھو بیدار ہو باسط تمہیں بیدار کرتا ہے
فقط اک خواب ہے اے غافلو یہ عالمِ فانی

ورق گل

اس طرح پڑھایا اسے استادِ ازل نے
بلبل کو رہا یاد ہمیشہ سبقِ گل

بیمارِ محبت کی ہوئی غیر جو حالت
نسخے کے عوض لے گئے باسط ورقِ گل

چارہ نہ چلا کچھ بھی ہوا نزع کا عالم
ٹپکانے لگے بیٹھ کے منہ میں عرقِ گل

نالاں تھا کبھی میں تو کبھی چاک گریباں
دل میں غمِ بلبل تو کبھی تھا قلقِ گل

پھر اس سے یوں میں نے کہا رو کے بصد غم
کام آئے اگر کچھ بھی تو لاؤں طبقِ گل

پھولے شفقِ شام سے بڑھکر سرِ تربت
گل ہو افقِ چرخ تو سرخی شفقِ گل

اس بات سے فرصت بھی نہ پائی تھی کہ دیکھا
تاراجِ خزاں ہو گیا اک اک ورقِ گل

حسنِ عارضی

رہا حسن جہاں افروزِ جاناں عارضی ہو کر
ہوا نظروں سے غائب چار دن کی چاندنی ہو کر

دکھایا تو نے ہم کو انقلاب عالم فانی
ہوئی تاریک آنکھوں میں ہماری بزم نورانی

دل مضطر نے چونکایا تو ہم بیتاب سے چونکے
ہوا اب منتہا رنگ بدیہم خواب سے چونکے

کہاں ہے شکلِ رعنا کی وہ اب پہلی سی رعنائی
کہاں ہے صورتِ زیبا کی اب اگلی سی زیبائی

کہاں ہے وہ ادا وہ ناز وہ انداز مستانہ
کہ یہ تو سب ترا گزرا ہوا افسوس افسانہ

غضب شامِ جوانی یوں سحر کے نور سے بدلے
کہ رنگِ زلفِ مشکینِ صنم کافور سے بدلے

کہاں ہے اب جبیں صاف میں وہ نور کا عالم
جسے زاہد سمجھتا تھا چراغِ طور کا عالم

کمانیں تیرِ ابرو کی بھی اب ٹوٹی کمانیں ہیں
اشارے سے جو کہتی تھیں کہ ہم ترچھی کمانیں ہیں

ستمگر چشمِ فتاں میں تری جادو نہیں باقی
نگاہِ ناز کا وہ ناوکِ دلجو نہیں باقی

کہاں ہیں اب ترے رخسار آتشناک کے جلوے
لگاتے تھے جو دونوں آگ مشتِ خاک کے جلوے

رخِ گلگوں پہ آخر چھا گئی زردی معاذ اللہ
یہ کیسی تیری حالت دم میں لوگ کر دی معاذ اللہ

عجب عالم ہے اس چاہِ ذقن چاہِ زنخداں کا
منور جس کو رکھتا تھا اجالا روئے تاباں کا

نہ اب وہ ساقِ سیمیں ہیں نہ دستِ نازنیں تیرے
مٹی تصویر کی صورت ہیں سب نقش و نگیں تیرے

نہ وہ رفتار فتنہ زا نہ اعجازِ مسیحائی
نہ ذوقِ خود نمائی ہے نہ وہ شوقِ خود آرائی

کہاں مستی جوانی کی سرورِ حسن باقی ہے
کہاں تمکین و پندار و غرورِ حسن باقی ہے

خلاصہ یہ کہ باسط ہے عجب قانون فطرت کا
مرقع پیکرِ حسنِ بتاں ہے صاف عبرت کا

خطابِ گل بہ گلچیں

مجھے کیوں توڑ کر لائے چمن سے ۔۔۔ چھڑایا کس لیے مجھ کو وطن سے
کبھی شوق کیا رنج و محن سے ۔۔۔ نکالا بزمِ نسرین و سمن سے

ستم ڈھایا شفیقوں سے چھڑایا
چمن کے سب رفیقوں سے چھڑایا

پسند آئی مری کیوں جامہ زیبی ۔۔۔ کہ پھر دل دیکھتے ہو شکل میری
اُٹھاتے ہو کبھی ایک ایک پتی ۔۔۔ کبھی ہے جانچ میری رنگ و بو کی

کبھی تو وجد میں تم جھومتے ہو
کبھی تم سونگھ کر لب چومتے ہو

جگر اس ڈر سے دل ہی سے شق تھا ۔۔۔ پریشاں حال تھا دل میں قلق تھا
تمہارا ہاتھ لگتے رنگ فق تھا ۔۔۔ گھرائے اُٹے اک سادہ ورق تھا

مگر مطلب تمہیں دل بستگی سے
غرض کیا تم کو میری خستگی سے

غضب ہے گردشِ دورِ زمانہ ۔۔۔ ہوا تیرِ حوادث کا نشانہ
چمن کا مجھ سے چھوٹا آستانہ ۔۔۔ ہوئے تم موت کا میری بہانہ

یہ کیوں منہ کھول کر بولے الٰہی
منڈائے سر پڑے اولے الٰہی

بنی ہے جان پر رنج و محن سے ۔۔۔ نہ تھی امید یہ چرخ کہن سے
لگی ہے آگ میرے تن بدن سے ۔۔۔ کلیجا پھنکتا ہے یاد چمن سے

دگرگوں حال میرا دمبدم ہے
روانہ قافلہ سوئے عدم ہے

کہاں سے آرہے تھے تم کدھر سے ۔۔۔ کہ لایا شوق کھینچی ہی گھر سے
چھپایں لاکھ پتو نہیں خطر سے ۔۔۔ بچی لیکن نہ جاں اہل نظر سے

بتایا تم سے کس نے میں یہاں ہوں
کہا کس نے کہ پتو نہیں نہاں ہوں

مجھے ہے یاد وہ اب تک زمانہ ۔۔۔ نسیم صبح کا وہ گدگدانا ہا
وہ اپنا مسکرانا کھل کھلانا ۔۔۔ وہ پھر بیتاب ہو کر لوٹ جانا ہا

مزے کے دن تھے کیسی لگی تھی
شرارت کوٹ کر مجھ میں بھری تھی

کوئی پوچھے دل اندوہگیں سے ۔۔۔ مزے تھے جو چمن کی سرزمیں سے
پہنچ جانا کہیں میرا کہیں سے ۔۔۔ لپٹ جانا وہ اپنے ہم نشیں سے

گلے ملنا گلوں سے جھوم کر وہ
پلٹ آنا لبوں کو چوم کر وہ

مزا دیتی تھی کیا باد بہاری ۔۔۔ در شبنم کی تھی کیا آبداری
مری قدرت نے وہ صورت نکھاری ۔۔۔ کہ سبکو بھائی میری شکل پیاری

فروغ حسن نے مجھکو مٹایا
مجھے بازار غربت بھی دکھایا

یہ مانا تم نے کی ہے قدردانی   مگر کس کام کی یہ مہربانی
ہے جبتک حسن کی مجھ میں نشانی   تمہیں مجھ سے نہیں ہے سرگرانی

نہوگا اسطرح پھر کام میرا
نہ لوگے بھول کر بھی نام میرا

بہت سے ہمنشیں دور از وطن ہیں   یوں ہی وہ شاکی چرخ کہن ہیں
جو دو شادی ہیں زیب انجمن ہیں   جگر افگار دو زیب کفن ہیں

غم غربت سے خون دل ہوا ہے
چمن کی یاد سے بسمل ہوا ہے

بہت لوکس مپرسی کی شکایت   مگر بیجا ہے یہ ان کی حکایت
سمجھتے ہی نہیں وہ اس کی غایت   سراسر ہے خدا کی یہ عنایت

نکل کر ہمنے کیا پایا چمن سے
شکستہ حال ہیں ہم پیرہن سے

مبارک ہو فضا ان کو چمن کی   وہی آب و ہوا پیارے وطن کی
خوش الحانی طیور نغمہ زن کی   ردائے نور ماہ ضو فگن کی

یوں ہی ہنس کھیل کر چلدیں کہیں کو
نہ چھوڑیں وہ وطن کی سرزمیں کو

مجھے لائے ہو تم تازہ چمن سے   لئے بیٹھے ہو باسط بانکپن سے

سنو اک التجا مجھ خستہ تن سے — کہ تم کو ذوق ہے شعر و سخن سے
رہا ہوں سامنے مضمون ہو کر
مرونگا بھی تو ہیں ممنون ہو کر
سنا دینا مری سب کو کہانی — چھپا کر جائے رنگیں معانی
اٹھا رکھنا نہ اپنی گل فشانی — یہ کرنا اد اتنی مہربانی
نکل جائے مری جب روح تن سے
ملا دینا مجھے خاک وطن سے

درس عمل

احساس فطرتاً ہے ہر بات کا بشر کو — پھر اور لطف آئے وسعت ہو گر نظر کو
دوڑائے چار جانب پھر تک خیال اپنا — روشن کرے جہاں پر پر رنگ کمال اپنا
لازم ہے ساتھ اسکے پھر قوت ارادی — سایہ سے جسکے بھاگے اندوہ نامرادی
آخر ہے بعد سب کے سعی عمل بھی لازم — انجام کار انساں تا ہو نہ دل میں نادم
ان چار قوتوں میں پنہاں ہے راز عالم — قدرت دکھا رہی ہے وہ کار ساز عالم
ترتیب دے جو انکو ہستی ہے اسکی ہستی — ورنہ لکھا ہے بیشک قسمت میں زیر دستی
ارفع ہے فیض حق سے پایہ ضرور اپنا
سمجھیں نہ ہم جو باطل تو ہے قصور اپنا

فریادِ بیوہ

بیوہ ہیں نالۂ غم ہے بااثر ہمارا — تڑپائیگا دلوں کو دردِ جگر ہمارا
سرتاج اُٹھ گیا ہے آخر کدھر ہمارا — ویران ہو گیا ہے آباد گھر ہمارا
عبرت کی جا ہے پھرنا دربدر ہمارا

کوئی نہیں ہے ایسا۔ دکھیا کی جو بچالے — بیکس یتیم بچے کو کیوں کوئی سنبھالے
کس کو غرض ہے ایسی جو گود میں اٹھالے — ہے کون تم میں ایسا چھاتی سے جو لگالے
منہ تک رہا ہے سب کا لختِ جگر ہمارا

دل سے دعا ہے۔ داتا دے اس سے بھی زیادہ — خیرات جان و تن کی بچو نکالو اپنے صدقہ
ہم کو بھی ہو عنایت روٹی کا ایک ٹکڑا — تن ڈھانکنے کی خاطر کپڑا کوئی پرانا
دیکھو بلک رہا ہے نورِ نظر ہمارا

ہم بھیک مانگنے کو آئے تمہارے آگے — عبرت کے ہیں کرشمے عبرت کے ہیں تماشے
قربان جان و دل سے واری تمہارے صدقے — اے بھائیو ہیں آخر ہم بھی خدا کے بندے
ملجائے کچھ ہمیں بھی۔ حق ہو اگر ہمارا

بالسط ہمیں یقیں ہے۔ ہو بیقرار تم بھی — ہم غمزدوں کے دل سے ہو غمگسار تم بھی
خستہ جگر ہو تم بھی۔ ہو دل فگار تم بھی — حالت پہ وہ ہماری ہو اشکبار تم بھی
سن لو کبھی جو نالہ پچھلے پہر ہمارا

نابینا

تجھکو لاحق ہے کون سا آزار | کس مرض کا ہوا تو ہائے شکار
کام آہ و فغاں سے رہتا ہے | سر کو دھنتا ہے اپنے لیل و نہار
درد لیتا ہے چٹکیاں دل میں | خون بہاتا ہے دیدۂ خونبار
بزم احباب میں نہیں جاتا | تجھکو تفریح بھی نہیں درکار
کام سے تجھکو کچھ نہیں ہے کام | گھر میں رہتا ہے رات دن بیکار
بزم عالم کی سیر کر اٹھکر | دیکھ قصر جہاں کے نقش و نگار
پھر گل گشت جانب گلشن | دیکھ تو اپنی زندگی کی بہار
ہم سے ای غمزدہ بتا تو کچھ | کیوں ہے خاموش صورت دیوار

ناوک غم کا کیوں نشانہ ہے
کچھ تو کہہ منہ سے کیا فسانہ ہے

داستاں غم کی کیا کہے بیمار | کوئی باقی نہیں ہے اب غمخوار
اب کہاں ہیں وہ مونس و ہمدم | اب کہاں ہیں حبیب و یاور یار
دوست تو ہو چکے ہیں سب معدوم | یاد ہیں انکے وعدہ و اقرار
رنگ لائی ہے یہ سیہ بختی | خود اعزا کو ہو گیا ہوں بار
رہنما کوئی اب نہیں باقی | اک عصا پر ہے میرا دار و مدار
یہی مونس رفیق و ہمدم ہے | دستگیری کا ہے اسے اقرار
پاس جبتک ہے یہ یہ اپنا ہے | ورنہ اسکو بھی سمجھو مجھسے عار

دیکھو گھر سے ہے ایسی تاریکی — سوجھتا ہی نہیں مجھے زنہار
نور آنکھوں میں اب کہاں باقی — ایک عالم ہوا ہے تیرہ و تار

ہم یہ مدت سے رنج سہتے ہیں
طنز سے لوگ کور کہتے ہیں

ہم بھی اک دن جواں تھے نام خدا — شکل رعنا تھی اور رخ زیبا
نازک اندام سرو قد تھے ہم — یعنی سانچے میں تھے ڈھلے اعضا
چال اٹھلا کے ہم جو چلتے تھے — فتنۂ حشر کرتے تھے برپا
کام کر جاتی تھی نظر اپنی — چشم اپنی تھی نرگس شہلا
خوبیٔ حسن کا نمونہ تھے — تم سے باسط بتائیں ہم کیا کیا
حق نے بخشا تھا ایسا حسن ملیح — لوگ کہتے تھے نور کا پتلا
خودنمائی تھی اور خود آرائی — وضعداری کا اپنی تھا چرچا
رات دن صحبتیں بتوں کی تھیں — محو کر دی تھی دل سے یاد خدا
روبرو ہر گھڑی تھا آئینہ — حسن پر اپنے ہم تھے خود شیدا
ہائے انجام پر بھی کسکی نظر — روز بد کی خبر نہ تھی اصلا

بعض کہتے ہیں ہنس کے مجھ کو کور
بعض کہتے ہیں زندہ در گور

حسن صوری تو ہو گیا کافور — ٹوٹ کر رہ گیا طلسم غرور
اتنا مجھکو سبق ہوا حاصل — ہوگا وہ جو خدا کو ہے منظور
چارہ کچھ بھی نہیں مشیت سے — ہے مقدر سے آدمی مجبور

چشم ظاہر تو ہو گئی بیکار چشم باطن مگر ہوئی پر نور
کون کہتا ہے مجھکو نابینا
چشم باطن میں روشنی ہے سوا

اتحاد

یارب عیاں ہو عہد سے سامان اتحاد ہندوستاں میں دیکھ لیں ہم شان اتحاد
اہل حرم سے ٹوٹ کے ملیں اہل دیریوں وہ روح اتفاق ہوں یہ جان اتحاد
ہو جائیں جتنے فرقے ہیں مانوس بیخود جاری ہو کاش ملک میں فرمان اتحاد
دل سے دعا یہ کرتے ہیں ہندو قوم کے پھولے پھلے جہاں میں گلستان اتحاد
بھولے سے دھیان آئے نہ بغض و عناد کا ہر سمت ہوں زمانہ میں سامان اتحاد
وہ کچھ بھی ہو۔ خیال ہو یا ہو عمل کوئی زیبائے اتفاق ہو۔ شایان اتحاد
الفت کی ابتدا میں مزا انتہا کا ہو آغاز اتحاد ہو۔ پایان اتحاد
پروا سے سیم و زر نہ رہے۔ قوم ہو غنی قبضے میں اسکے آئے اگر کان اتحاد
پر زے ہوں آستین گریباں ہو چاک چاک چھوٹے مگر نہ ہاتھ سے دامان اتحاد
یہ گھر بسا تو ہو گئے تم خانماں خراب ڈھاؤ نہ اپنے ہاتھ سے ایوان اتحاد

باسط ہے تیرے دل میں اگر درد قوم کا
شیدائے اتفاق ہو۔ قربان اتحاد

آزادیِ نسواں

پڑھایا مجھکو اک زہرہ جبیں لیڈی نے بچپن سے
خوشا قسمت کہ مری سر ہوئی کوئی ملانی

گورنس کا مری خوش ہو کے وہ تہذیب سے کہنا
سبق تم اپنا کر لو یاد اے خاتون لاثانی

نصیب اپنا کہ آیا نے اٹھایا غیر سے پردا
بنی رہتی ہیں ورنہ عمر بھر افسوس زنانی

ہوا پھر نام میرا درج کالج کے رجسٹر میں
کہاں تک لیگیا۔ دیکھو مجھے شوق زباندانی

روش ایسی کہ فیشن پر مری دم سو ناز کرتا تھا
وہی ملبوس یورپ کا وہی بولی وہی بانی

جدھر سے میں نکل جاتی ہر اک سکتے میں رہجاتا
بپا کرتی تھی محشر ہر قدم پر چال مستانی

مسخر دم میں ہوتے دل مری پر لطف باتوں سے
کیا کرتی تھی ہنگام سخن وہ گل افشانی

کسی سے بھی نہیں تھی عار کچھ مجھکو ملنے جلنے کی
فقط اک پردہ اٹھنے سے ہوئی کیا کیا نہ آسانی

حجاب آتا تھا پہلے مجھکو ان باتوں میں تھوڑا سا
خدا کا شکر جلد آنکھوں کا اپنی مر گیا پانی

مری قسمت بھی وابستہ ہوئی اک ایسے انساں سے
کہ جو تھا مجلس تہذیب کا رکن لاثانی

پڑھایا اسنے مرے دل کو کیا کیا کہوں تمسے
مری ان خوبیوں کی قدر اسنے خوب ہی جانی

اُدھر اسکا پیانو کا بجانا وقت فرصت میں
ادھر شیریں صداؤں سے مرا گانا غزل خوانی

کہیں کچھ بھی ہو لکچر ہو۔ تماشا ہو۔ تھیٹر ہو
ہمیشہ ساتھ رہتی تا نہ ہو انکو پریشانی

بہت کچھ فائدہ مجھکو ہوا آنکھیں کھلیں میری
سلیقہ بڑھ گیا میرا ہوئی کم بول گرانجانی

یہاں تک جا کے پہنچی ایکدن اسٹیج پر میں بھی
عجب انداز سے دی میں نے اک اسپیچ طولانی

مگر اک نوجواں ہنستا تھا آزادیِ نسواں پر
بالآخر دیکھکر اسکو ہوئی میں محو حیرانی

بتاؤں تمسے کیا لیکن کہ ہو وہ کون زندہ دل
ظریف و نوجواں خوش دل وہی ہے بس وہ لاثانی

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے دنیا کی روش
کچھ عجب انداز سے قائم ہے اسکا انتظام

آرزوئے دل کی خاطر جان دیتا ہے کوئی
اپنے مقصد کا کوئی کرتا ہے مشکل انصرام

اسکی کچھ پروا نہیں دل کیوں دکھایا غیر کا
ہنس کے کہتا ہے بشر ہوں ہو گیا ہے شاد کام

زہر میں اک اک بجھائی ہے ستمگر تیری بات
صرف کہنے کو ہیں شیریں تیری باتیں لاکلام

خود غرض میں جانتا ہوں تجھ کو وہ میٹھی چھری
جسکے زخموں کا نہیں تا حشر ممکن التیام

تو اسکی جان لینے کے لئے تیار ہے
جوش الفت میں بنا ہے جو ترا دل سے غلام

وہ مگر سرشار ہے نشہ سے پر ہوتا نہیں
پی چکا ہے جھلک کے کچھ ایسا مئے الفت کا جام

حیف تو کرتا ہے ایسے صاف باطن سے ملال
تیری فرقت میں اسے ہوتا ہے خواب و خور حرام

جسکے منہ پر قول ہارا دستگیری کیلئے
اب مٹانے کو اسی بیکس کے اتنا اہتمام

دل کسی ناچار و بیکس کا نہیں توڑا کرتے
کیوں خدا کا گھر ہے منظور تجھکو انہدام

گو اسی بنیاد کو کھودوں اس سے شوق رہتی ہا
دل سے لاؤں کس طرح لیکن بتا ہے اسکا نام

سن لو باسط غور کر لو مختصر سی بات کا
یہ تعصب ہے فقط قطع کلام اختتام

اپنا مسلک صلح کل ہے صلح جوئی کام ہے
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

اجل

ایک ہے سب کیلئے قانون قدرت ایک ہے
اسکو ثابت کر رہی ہے بخشش عام اجل

شاہ ہو کوئی گدا ہو نوجواں ہو پیر ہو
سر جدا کرتی ہے تن سے سبکا صمصام اجل

بادۂ غفلت سے یوں سرشار رہنا ہے عبث
ایکدن پینا ہے آخر ہمنشیں جام اجل

اہل دنیا کیلئے جو لاتے ہیں پیغام خدا
انکو بھی پہنچا بالآخر آ کے پیغام اجل

رشک لیلیٰ رشک شیریں نازنیں کوئی سہی
پھانس لیگی اسکو بھی زلف سیہ فام اجل

ہاں شکار گور تا کے خود شکار گور تھا
وقت آیا ہو گیا بہرام بھی رام اجل

مائل پرواز ہو گا مرغ جاں ایکدن ضرور
ہر گلے کا ہار ہو گا حلقۂ دام اجل

ہاں قیامت جاننا اسکو خیال خام ہے
صبح محشر کی مگر تمہید ہے شام اجل

تمکو ہم کیوں نہ سمجھیں رحمت جاں فریں
خودکشی کر لیتے ہیں آخر کو ناکام اجل

بھول کر بھی اب نہ پھر چونکینگے تا روز قیام
خفتگان قبر سے پوچھو تو آرام اجل

ساتھ کیا دینگے اعزا اقربا انسان کا
روح خود ہی پالتی ہے تن سے ہنگام اجل

دفن کر دینگے اٹھا کر پھر اندھیری گور میں
دوستوں کے ہاتھ سے ہو گا یہ انجام اجل

باسط عاصی خدا کو ڈر خدا کیواسطے
دل میں ہو یاد اجل لب پہ جو ہو نام اجل

صیادِ اجل

قائل ہے ہر اک کافر و دیندار اجل کا — ملحد کو نہ دل سے ہو اقرار اجل کا
خالی نہیں جاتا ہے کبھی وار اجل کا — جاں نذر میں لے لیتا ہے دیدار اجل کا

سمجھے جو کوئی زیست کو تمہید اجل کی
ہو عید سے کچھ کم نہ اسے دید اجل کی

ممکن کسی صورت سے نہیں موت کا چارا — جیتا رہے تا حشر کسی کو نہیں یارا
خوش ہو کے کوئی جان دے کب ہے گوارا — سچا ہے جو سچ پوچھئے یہ قول ہمارا

کچھ دم کا بھروسا نہیں آئے کہ نہ آئے
توبہ کا بھی موقعہ کوئی ہاتھ آئے کہ نہ پائے

دنیا سے ہیں ہر گام ہی ہونگے روانہ — چلتا ہی نہیں موت سے کچھ حیلہ بہانہ
بے نام و نشاں ہو گئے ارباب زمانہ — مجبور تھے معذور تھے شاہان یگانہ

وہ بھی نہ بچے پنجۂ صیاد اجل سے
خاموش تہِ خاک ہیں بیداد اجل سے

پردیس میں بیمار وطن کرتا ہے نالے — اٹھنے نہیں دیتے ہیں قدم پاؤں کے چھالے
کانٹے ہیں پڑے حلق میں جینے کے ہیں لالے — ایسے میں کوئی ایسا نہیں ہے جو سنبھالے

ہمدرد کوئی اہل وطن بھی نہیں ملتا
دو گز اسے مرنے پہ کفن بھی نہیں ملتا

بندہ ہو کہ آقا ہو گدا ہو کہ تونگر | شاعر ہو سخن سنج سخن گو کہ سخن ور

زاہد ہو ولی ہو وہ نبی ہو کہ پیمبر | کچھ فرق نہیں پیش اجل سب ہیں برابر

اے موت جو تو بھیجتی ہے انکو یہاں سے

جاتے ہیں پلٹ کر وہیں آئے تھے جہاں سے

شیریں ہو زلیخا ہو کہ لیلائے زمانہ | تھی حسن میں یکتا کوئی خوبی میں یگانہ

اے تیر اجل تو نے کیا سب کو نشانہ | آخر سوئے عقبیٰ ہوئے دنیا سے روانہ

شیریں نہیں ملتی کہیں لیلیٰ نہیں ملتی

اے خاک لحد اب وہ زلیخا نہیں ملتی

ہو زندۂ جاوید تو مرنے سے حذر کیا | عاصی نہیں بندہ ہے تو پھر خوف و خطر کیا

تقدیر میں جو کچھ ہے لکھا اس سے حذر کیا | عاصی کو بھی حصہ ملے رحمت سے خبر کیا

ممکن ہے دم مرگ کوئی کام ہو اچھا

ممکن ہے کہ آغاز سے انجام ہو اچھا

انجام سے غافل نہ ہو اے مست جوانی | تڑپائے گا پیری میں تجھے سوز نہانی

اس عالم فانی کی ہر اک چیز ہے فانی | ڈھونڈے سے نہ تو زیست کی پائیگا نشانی

باقی یہی لازم ہے کرے کام خدا کا

رہ جائیگا اک روز فقط نام خدا کا



قومی گیت

اے پیاری قوم سن لے دلکش ہیں تیرے نالے   تازہ ہیں زخم دل کے زخم جگر ہیں آلے
کب تک لیا کرے گی تو اس طرح سنبھالے   دنیا کو پڑ گئے ہیں جینے کے تیرے لالے
اپنا نصیب خفتہ تو آپ ہی جگا لے

کہتے ہیں لوگ تجکو بیکار ہو گئی ہے   دنیا کو تیری ہستی اک بار ہو گئی ہے
حالت ہے تیری نازک بیمار ہو گئی ہے   اب تیری زندگانی دشوار ہو گئی ہے
آب حیات پی کر اپنے کو تو بچا لے

جنت نشان تھا پہلے اپنا وطن نہیں ہے   ہندوستان ہے اب بھی رشک چمن نہیں ہے
گلہائے نازبو کی وہ انجمن نہیں ہے   بلبل بھی نوحہ خواں ہے اب نغمہ زن نہیں ہے
باد خزاں سے اس کو اے قوم تو بچا لے

ہم میں گزر گئے ہیں ہر علم و فن کے بانی   تاریخ اٹھا کے دیکھو سچی ہے یہ کہانی
دریا بہا گئے تھے کیسی عجب طرح کی روانی   اہل خرد نے ان کی اک ایک بات مانی
زندہ ہیں آج تک وہ اگلے زمانے والے

لاکھوں جری بہادر ایسے گزر گئے ہیں   دشمن کے سامنے جو سینہ سپر گئے ہیں
کیا پوچھتے ہو ہم سے کیا کام کر گئے ہیں   زندہ ہے نام ان کا گو خود وہ مر گئے ہیں
قبروں میں سو رہے ہیں ڈنکا بجانے والے

وہ اُنکی خوش بیانی وہ انکی خوش مقالی وہ انکی خوش نہادی وہ انکی خوش خصالی
ایک خواب ہوگئی ہے ان کی فراغ بالی امن و اماں کی ہر سو بنیاد انھوں نے ڈالی
زیر زمین ہیں پنہاں بستہ بتا ہیولے

اے قوم دیکھ اُٹھ کر مشکل کا وقت آیا گمراہ خود ہوئے ہیں کسکو بتائیں رستہ
ملتا نہیں ہے ہمکو تن ڈھانکنے کو کپڑا جان اپنی لے رہا ہے فاقے پر آج فاقہ
خود مر رہے ہیں بھوکھوں جگ کو کھلانیوالے

اے قوم پھر ہوں پیدا اگلے سے ہم میں جوہر اک اک ہو سوا علی اک ایک ہو بہ نشتر
جاہل یہ سب ہوں عالم بزدل ہوں سب دلاور کوشش اگر کرے تو پلٹے نہ کیوں مقدر
کیونکر نہ سنبھلے حالت جو تو اسے سنبھالے

ہم ہندیوں میں آکر ہو اتحاد باہم سب ہوں شریک شادی سب ہوں شریک ماتم
ہرگز نہ ہو جدائی کوشش رہے یہ پیہم اک دل ہوں اسطرح ہم حیراں ہو ایک عالم
درد ایک کے اگر ہو تو دوسرا بٹا لے

بھائی ہیں اپنے دونوں ہندو ہوں یا مسلماں عزت کی شئے ہیں دونوں وہ وید ہو کہ قرآں
خالق کے نام دونوں وہ رام ہو کہ رحمان زنار ہی کا رشتہ تسبیح میں ہے پنہاں
پہلو میں مسجدوں کے ہیں ہند میں شوالے

اے میری پیاری گنگا میں خیر ہوں مناتا پربت کی پیاری دیوی تیرے ہی گن ہوں گاتا
مانا کہ تو ازل سے ہے ہندوؤں کی ماتا اپنا بھی رہتے رہتے تجھ سے ہوا ہے ناتا
ہم کو بھی آج مائی بڑھ کر گلے لگالے

اللہ بسر کر رہا ہے بیشک ترا تجاہل غیرت دلا رہا ہے اے قوم یہ تغافل

گھبرا نہ ناہموار ہے اتنی تو نہ راہِ دل — منزل ہے تیرے آگے لازم نہیں تامل
آگے قدم بڑھا تو باسط کی اب دعا لے

گھیرے ہے یا الٰہی طوفانِ باد و باراں — فضل و کرم سے کر دے مشکل ہماری آساں
ظاہر میں گو نہیں ہے بچنے کا کوئی ساماں — لیکن دلِ حزیں ہے رحمت پہ اب بھی نازاں
طوفان میں ہے کشتی اس کو خدا بچالے

تضمین

یاد ایامیکہ جشنِ جم بمحفل داشتم — یاد ایامیکہ داغِ ماہِ کامل داشتم
یاد ایامیکہ عشقِ چشم در دل داشتم — یاد ایامیکہ در میخانہ منزل داشتم
جامِ مے بر دستِ ساقی در مقابل داشتم

نغمہ ہائے جانفزا آمد بگوشِ عقل و ہوش — لطفہا اندوختم من از نوازشہائے دوش
تا کجا باسط خیالِ شرحِ لطفِ نائے و نوش — قصہ کوتہ کر حصولِ فیضِ پیرِ مے فروش
بود حاصل ہر تمنائے کہ در دل داشتم



کاسہ گر تونے کی جگر کاوی — پاک مٹی زمین سے کھودی

بعد اس کے یہ کی عرق ریزی — جان و تن کھپائی وہ مٹی

پھر اسے لیکر چاک پر آیا — دی جو گردش تو چاک چل نکلا

پھر محور وہ گھومنا اس کا — رقص کرنا وہ جھومنا اس کا

ڈالی بنیاد ایک کاسے کی — شکل مٹی نے دوسری بدلی

کام میں ہاتھ تھا نظر بھی تھی — تجھکو ہر بات کی خبر بھی تھی

دھوپ میں پھر اسے سکھایا بھی — آگ میں بعد کو پکایا بھی

پھر بھی جس وقت ٹوٹ جاتا ہے — دامن صبر چھوٹ جاتا ہے

ٹھیکرا دل کو سمجھتا ہے بیکار — بکنے جاتا نہیں سر بازار

رہگذر پر تو پھینک دیتا ہے — کب اسے مول کوئی لیتا ہے

اس کی صورت سے سب ہیں بیزار — مفت لینے کو بھی نہیں تیار

اپنی صنعت کو مرد کامل دیکھ

اور محنت کا ہے یہ حاصل دیکھ

میں تو قائل ہوں کاسہ دل کا — بادۂ آتش کا ہے پیالہ گل کا

اک جہاں سے الگ ہے یہ کاسہ — داغ الفت سے ہے گل لالہ

کون کہتا ہے اس سے کم ہے یہ — اہل باطن کو جام جم ہے یہ

دونوں عالم کا راز اس میں ہے — سوز اس میں ہے ساز اس میں ہے

نور اس میں ہے یہ سراپا نور — برق سینا ہے اس میں یا جلوۂ طور

ہائے اس گھر میں کوئی مہمان ہے — اس کے پردے میں کوئی پنہاں ہے

چوٹ الفت کی اس نے کھائی ہے — ٹوٹنے کی صدا ابھی آئی ہے

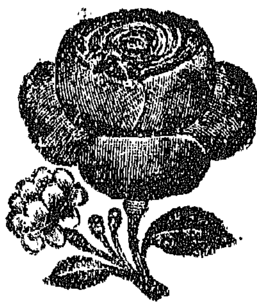
ٹکڑے ٹکڑے سے پاش پاش بھی ہے — سب کو اس کی مگر تلاش بھی ہے

پختگی ہے شکستگی اس کی — قدر اب اور بڑھ گئی اس کی

اس کی قیمت نہیں ہے سیم و زر — ہیچ ہیں اس کے آگے لعل و گہر

کاسہ گر کو بہت ہی پیارا ہے — سب سے کہتا ہے یہ ہمارا ہے

جب شکستہ نہ تھا عزیز نہ تھا
باسط اُس وقت کوئی چیز نہ تھا



کرشن و جسودا

آغوش میں جسودا کے ہے دیوکی کا لال — خوش رنگ خوش لقب خوش ادا خوش جمال

وہ بول نہ پائی شوق سے کرتی ہے عرض حال — واری ہزار جان سے سن لے ماہ بے مثال

وہ جانتی ہے کہ تو نند لال ہے

در اصل دیوکی کا مگر تو نہال ہے

مشکل کو تیری میں نے ہی آسان کر دیا — بچ جائے تیری جان یہ سامان کر دیا

بچی کو اپنی جان سے قربان کر دیا — باغ مراد آپ ہی ویران کر دیا

تجھکو بچا لیا میں نے ہی بیدادِ کنس سے

رہ جائے پاس سدا کے تو کاش بس ہے

ٹکڑا ہے دل کا آنکھ کا تارا تو ہی تو ہے — اے میرے لال راج دلارا تو ہی تو ہے

ہمکو ہزار جان سے پیارا تو ہی تو ہے — دل اپنا کہہ رہا ہے ہمارا تو ہی تو ہے

اے مرے شیام کیا کہوں کیسا حسین ہے تو

قربان جاؤں راحتِ جانِ حزیں ہے تو

میری حیاتِ زیست کے سامان منہ سے بول — صدقے تری اداؤں کے قربان منہ سے بول

اک بھولے بھالے اے مرے نادان منہ سے بول — اے مرے دل کے ٹکڑے مری جان منہ سے بول

تو بول یا نہ بول مگر جانتی ہوں میں

تیرے ہر اک اشارہ کو پہچانتی ہوں میں

آنکھیں ہماری شاد ہیں دیدار سے ترے — شرما رہے ہیں پھول بھی رخسار سے ترے

گوکل میں نور پھیلا ہے انوار سے ترے — پوچھے تو کوئی حال طلبگار سے ترے

کیا کہہ رہی ہے دیکھ جسودا کھڑی ہوئی
تیرے قدم سے راج محل جھونپڑی ہوئی

گدائے گوشہ نشین

ہمارے صبر کا پیمانہ جب چھلک اٹھا — تو آشنا ہوئے فریاد سے لبِ خاموش

جو عرض پر آئے حضورِ شاہِ زمن — تو اس طرح ہوا ظاہر دلِ حزیں کا جوش

نہیں ہے تجھ سا کوئی کامگار دنیا میں — نہیں ہے ہم سا کوئی نامراد و حسرت کوش

وہ ایک ہم ہیں کہ لب پر ہو العطش کی صدا — وہ ایک تو ہے کہ [illegible] ہوا مدہوش

وہ دخترِ رز کہ جسے ہم لگا نہ سکتے تھے — [illegible]

پلا دے کھول کے جی تو اگر پلاتا ہے — دکھا کے جرعہ [illegible]

زمانے نے تجھے آقا بنایا ہے بیشک — زمانے نے ہمیں بیشک کیا ہے حلقہ بگوش

ہم اپنا خود بھی مگر نیک و بد سمجھتے ہیں — ہمیں بھی بخشے ہیں خالق نے کچھ حواس و ہوش

ہے شوقِ شاہ بہ مقصد ہے ہم کناری کا — زمانہ گزرا ہے کھولے ہوئے ہیں آغوش

یہ آرزو ہے ترا [illegible] کچھ بتائیں ہم — ہیں اہل اس کے کریں کام ہم بدوش بدوش

جواب کیا ملا میں تم سے کیا کہوں [illegible] — یہ کہہ کے ہو گیا وہ شاہ [illegible] خاموش

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

شہر خموشاں

کرتے کرتے سیر اک دن شام کو اے ہمنشیں ۔
جانب گور غریباں ہم بھی جا نکلے کہیں

کچھ عجب حسرت کا عالم اس جگہ آیا نظر
بیکسی چھائی ہوئی تھی خاک اڑاتی تھی زمیں

کچھ پرانے کچھ نئے گھر ہر طرف تھے جابجا
دل نے آخر کھینچکر پہونچا دیا اونکے قریں

خواب غفلت میں پڑے تھے اپنی اپنی قبر میں
انتہا کے بیخبر تھے ان مکانوں کے مکیں

دیکھکر شہر خموشاں کا یہ عبرتزا سماں
خون برسانے لگیں آخر کو چشم دوربیں

خاک پر سوتے تھے ایسے ایسے ذی حشم
تخت شاہی پر رہے جو عمر بھر مسند نشیں

منہ چھپائے تھا کفن سے آج وہ کشورستاں
اک جہاں کی سلطنت تھی جس کے کل زیر نگیں

جشن جمشیدی رہا کرتا تھا جسکی بزم میں
قبر کے گوشہ میں تھا وہ لے کے اب خلوت گزیں

ٹوٹی ہوئی قبر میں سوتا تھا وہ فغفور آج
قصر جسکا ہو رہا تھا کل نگارستان چیں

اک گدا سے بینوا بھی دفن دیکھا پاس ہی
خواب میں بھی بیٹھ سکتا تھا نہ جو اس کے قریں

بند کر دیتے تھے جو اپنے مخالف کی زبان
دم بخود لیٹے تھے اب وہ شاعران نکتہ چیں

عاشق جاں باز بھی سوتے تھے میٹھی نیند آ
ان کے پہلو ہی میں تھے معشوق پیوند زمیں

آج وہ کنج لحد میں محو خواب ناز تھے
فتنہ برپا کرتی تھی کل جن کی چشم شرمگیں

بستر گل پر کبھی سوتے تھے جو نازک بدن
آہ ان کے واسطے بستر ہے اب فرش زمیں

شمع کافوری جلا کرتی تھی جن کی بزم میں
اک چراغ قبر بھی ان کے مزاروں پر نہیں

روز و شب تکتے ہیں وہ انجام پر اپنے نظر
رات دن رہتے ہیں محو یاد عالم آفریں

کہہ رہا

کہ رہا تھا رنگ مایوسی زبان حال سے — ہائے کیا غربت فزا ہے گردش چرخ بریں

خود بخود اک آہ نکلی اشک جاری ہو گئے — یہ نتیجہ ہو گیا اچھی طرح اب دل نشیں

عالم فانی میں ہر شے کو فنا ہے لازمی

رہنے والی ہے فقط اک ذات رب العلمیں



پیاری ماں

بزرگوں کا مرے سر پہ ہمیشہ دستِ شفقت ہے — عزیزانِ گرامی کو بھی دعوائے رفاقت ہے
پدر کو بھی جو سچ پوچھو نہایت ہی محبت ہے — مگر سچی تو پیاری ماں تجھی کو میری اُلفت ہے

خدا شاہد زمانہ میں ترا ثانی نہیں ممکن
محبت ہو مگر یہ سوزِ پنہانی نہیں ممکن

صداقت کا پتہ دیتی ہے ہم کو تیری غم خواری — تو فرض اپنا سمجھتی ہے ہماری ناز برداری
ہماری تلخگوئی بھی تجھے شیریں ہے پیاری — ہمیں پژمردہ دیکھا تو گئی سو جان سے واری

تری اُلفت کو زیبا ہے فقط ضرب المثل ہونا
کہ ممکن ہی نہیں اے ماں ترا نعم البدل ہونا

مری تکلیف میں تو خود سراپا درد ہوتی ہے — جگر میں سوزِ پنہاں لب پہ آہِ سرد ہوتی ہے
مرے چہرے کی رنگت دیکھ کر تو زرد ہوتی ہے — ترے آگے محبت اک جہاں کی گرد ہوتی ہے

تو اک لحظہ نہیں رہتی ہے میری یاد سے غافل
کہاں ہے پیاری ماں تو باسطؔ ناشاد سے غافل

تری شمعِ محبت قلب کو پُر نور رکھتی ہے — تری صہبائے اُلفت روح کو مسرور رکھتی ہے
جگر کے زخم پر تو مرہم کافور رکھتی ہے — کہ ہمدردی تری دل سے خلش کو دور رکھتی ہے

مزا تیری محبت کا کوئی دلگیر سے پوچھے
جدائی کو تری برگشتہ تقدیر سے پوچھے

زمانے میں ترا ہرگز نہیں ہے کوئی ہمپایہ — نہیں بالِ ہما سے کم مرے سر پر ترا سایہ

تری خدمت سے ہو سکتا ہے عقبیٰ کا بھی سرمایہ
بزرگی میں تری اللہ نے کیا کچھ نہ فرمایا

سعادتمند کی خاطر سراسر ابر رحمت ہے
ترے قدموں کے نیچے ہم اگر چاہیں تو جنت ہے

افسانۂ عالم

عجب رنگیں ہے یہ گلزار عالم اس کا کیا کہنا
مگر اس سے کہیں بڑھ کر ہیں رنگیں اس کے افسانے

دو رنگی میں بہت ڈوبی ہوئی ہیں محفلیں اس کی
کہیں پر جام خالی ہیں کہیں لبریز پیمانے

کوئی عقبیٰ کا خواہاں ہے کوئی دنیا کا جویا ہے
کہیں پر خانقاہیں ہیں کہیں آباد میخانے

دگرگوں حال ہے اہل جہاں کا شادی و غم سے
کبھی ہشیار ہوتے ہیں کبھی ہوتے ہیں دیوانے

سخن خالی نہیں ہے امتیاز دین و ملت سے
یہی کہتے سنا سب کو یہ اپنے ہیں یہ بیگانے

یہاں شیخ و برہمن کی بھی ہے ہنگامہ آرائی
ادھر ہیں مسجدیں آباد ادھر آباد بتخانے

عجب عبرت فزا ہے انقلاب دہر کا نقشہ
کہیں پر قصر کسریٰ ہے کہیں سنسان ویرانے

کہیں پر باغ میں ہیں عندلیب زار کے نالے
کہیں پر بزم خوباں میں تپش انداز پروانے

خوشی و غم کا میں احساس رکھتا نہیں اصلا
پریشاں کر نہ مجھکو ہمنشیں کہہ کہہ کے افسانے

مبارک کشمکش ہستی کی ان اہل تمنا کو
طبیعت کا ہماری رنگ انبساط کوئی کیا جانے

نہ غم آور نقصانے نہ شادی داد سامانے
بہ پیش ہمت ما ہر کہ آمد بود مہمانے

اپنی ہستی

پوچھے نہ کوئی مجھ سے میں کون ہوں میں کیا ہوں
تصویرِ فنا سمجھو اِک خاک کا پتلا ہوں

ہندو ہوں مسلماں ہوں میں گبر و نصارا ہوں
بتخانہ ہوں کعبہ ہوں مندر ہوں کلیسا ہوں

دن بھر میں تڑپتا ہوں یوسف کا میں شیدا ہوں
میں رات کو روتا ہوں دیوانۂ لیلا ہوں

میں درد سراپا ہوں میں خود ہی مداوا ہوں
بیمار ہوں پھر اپنا میں خود ہی مسیحا ہوں

میں تیر کا نشتر ہوں جو دل میں اترتا ہوں
سمجھے نہ کوئی مجھکو غالب کا معمّا ہوں

میں آب ہوں میں گِل ہوں میں باد ہوں میں آتش
اُس خالقِ یکتا کی قدرت کا نمونہ ہوں

آیا تھا عدم سے میں ہستی کے نظارے کو
آئینۂ حیرت ہوں یوں محوِ تماشا ہوں

مسلک ہی مرا دیکھو تو سب سے نرالا ہے
ناقوس کا نالہ ہوں تکبیر کا نعرہ ہوں

ملتا ہوں برابر میں ہندو سے مسلماں سے
بیگانوں سے بیگانہ اپنوں کا میں اپنا ہوں

لے بخیہ گرو ٹھیرو حسرت تو نکالیے
دامن نہ مرا پکڑو دیوانہ و رسوا ہوں

ہاں شمع مجھے جانو میں سوز مجسم ہوں
پروانہ مجھے سمجھو میں شوق سراپا ہوں

بتخانے میں بیٹھا ہوں کعبے میں مرا دل ہے
خدمت میں بتوں کی ہوں اللہ کا بندہ ہوں

جذبات دلی چشمِ گریاں سے چھلکتے ہیں
رو کے نہ کوئی مجھکو اُمڈا ہوا دریا ہوں

بدبخت ہوں میں بیشک برگشتہ مقدر ہوں
بگڑی ہوئی قسمت کا بوسیدہ سا نقشہ ہوں

یا آنکھ سے بہ جائے خوں ہو کے شبِ فرقت
یا دل میں رہے پنہاں میں ایسی تمنا ہوں

چکّر مری قسمت میں لکھا ہے ازل ہی سے
گرداب ہوں پانی میں خشکی میں بگولا ہوں

لازم ہے مجھی دیکھیں سب دیدۂ عبرت سے
افلاک کی گردش کا پیسا ہوا سرمہ ہوں

گلزار جہاں میں تم حالت نہ مری پوچھو ۔ کانٹوں میں جو پھنس جائے شبنم کا وہ قطرہ ہوں

انکار کہاں مجھکو بیشک مری آنکھیں ہیں ۔ غفلت سے جو اندھا ہو وہ دیدہ بینا ہوں

دیکھیں نہ مجھے کیونکر ارباب نظر باسط ۔ نیرنگی عالم کا دلچسپ خلاصہ ہوں

اے کاش فنا ہوتا میں وصل تو ہو جاتا ۔ ناچیز سا قطرہ ہوں شاید کبھی دریا ہوں

پوچھے نہ کوئی مجھسے میں کون ہوں میں کیا ہوں
جو کچھ مری ہستی ہے میں خوب سمجھتا ہوں





مجذوب کی بڑ

بیخود ہوں مستانہ ہوں میں — محو رخ جانانہ ہوں میں
دنیا سے بیگانہ ہوں میں — عاقل ہوں فرزانہ ہوں میں

الفت میں دیوانہ ہوں میں

جس جا چاہوں ڈالوں ڈیرا — میں کیا جانوں میرا تیرا
گلیوں گلیوں ایرا پھیرا — بستی جنگل رین بسیرا

الفت میں دیوانہ ہوں۔ میں

لڑکے ماریں پتھر مجھ کو — گلیوں گلیوں در در مجھ کو
کھیل بنائیں اکثر مجھ کو — خون رلائیں ہنس کر مجھ کو

الفت میں دیوانہ ہوں میں

وقت کو ہنس کر کھونے والا — رہ رہ کر خوش ہونے والا
بیٹھے بیٹھے رونے والا — اشکوں سے منہ دھونے والا

الفت میں دیوانہ ہوں میں

جسم اب ایسا زار ہوا ہے — کپڑا تن پر بار ہوا ہے
دست جنوں کا وار ہوا ہے — اپنا گریباں تار ہوا ہے

الفت میں دیوانہ ہوں میں

جاڑے گرمی یکساں مجھکو — کچھ نہیں خوف باراں مجھکو
وسعت دنیا ایواں مجھکو — سقف ہے چرخ گرداں مجھکو

الفت میں دیوانہ ہوں میں

یوں ہی کٹے برسات بھی میری | دن کی طرح ہے رات بھی میری
خوب ہے بیشک ذات بھی میری | ربط سے خالی بات بھی میری

الفت میں دیوانہ ہوں میں

جاکر میں گلزار میں پہنچا | دشت و جبل کہسار میں پہنچا
کوچہ میں بازار میں پہنچا | ہر جا شوق یار میں پہنچا

الفت میں دیوانہ ہوں میں

فرش زمیں پر قبضہ میرا | چلتا ہے بس سکہ میرا
کوہ و دشت و دریا میرا | کیا بتلاؤں ہے کیا کیا میرا

الفت میں دیوانہ ہوں میں

پھرتا ہوں ناکارہ بنکر | ذرہ عالم آرا بنکر
اُڑ جاؤں جو پارہ بنکر | زیب فلک ہوں تارا بنکر

الفت میں دیوانہ ہوں میں

اللہ رکھے سودا میرا | دنیا بھر میں چرچا میرا
کوئی نہ سمجھے رتبہ میرا | میں مولا کا مولا میرا

الفت میں دیوانہ ہوں میں



تقسیم انعام

بہار آئی شگفتہ ہو گئے گلہائے بستانی — گلستاں میں زرِ گل کی کرے بلبل نگہبانی

عروسِ فکر کو پھولوں کا زیور میں پہناؤنگا — دکھاؤنگا سرِ محفل وہ اندازِ گل افشانی

طرب انگیز ہے گلہائے رنگا رنگ کا عالم — عجب کیا ہے زباں سوسن کی ہو محوِ غزلخوانی

خوشی سے قمریاں کرتی ہیں کو کو صحنِ گلشن میں — اکڑتے ہیں مسرت سے روش پر سروِ بستانی

سنوارے بال سنبل نے نکھار رنگ لے آئی — یہ عالم ہے چمن کا ہے بہت نرگس کو حیرانی

مسیحا بنکے آئی ہے نسیمِ روح پرور بھی — نئے سر سے ہوا ہے نامیہ کو جوشِ جولانی

کروں تو صیف کیا جوئے چمن کے صافپانی کی — کہ آبِ زندگی بھرتا ہے اسکے سامنے پانی

کہاں ممکن ہے خاکہ باغ کے ان نوب تو کھینچا — بنے تصویرِ حیرت آپ ہی بہزاد اور مانی

زمیں بھی آسماں سے کم نہیں دلفریبی میں — ستاروں پہ ہے ہنستا سدن جو ذروں کی درخشانی

نمایاں ہے مسرت ہر در و دیوار سے ایدل — کہ ہے رونق فزا انجمن اسکول کا بانی

مبارک ہیں قدم اسکے مبارک اسکی آمد ہے — ضیائے خیر مقدم سے ہے محفل آج نورانی

جو لڑکے مستحق ہیں آج وہ انعام پائینگے — یہی محنت کا ثمرہ ہے یہی ہے فضلِ ربانی

بیاں ممکن نہیں ہے سیٹھ صاحب کی سخاوت کا — مسلّم چارسو عالم میں ہے ان کی زرافشانی

دعا دل سے نکلتی ہے ہر اک ہندو مسلماں کے — سلامت تا ابد یارب رہے اسکول کا بانی

بتائیں کیا ہے اس تقسیمِ انعامات سے مطلب — طبیعت میں ہو پیدا دوسروں کے جوش و جولانی

کروں کچھ تذکرہ جی چاہتا ہے سست لڑکوں کا	نصیحت جان کر سن لیں، بیانِ سوزِ پنہانی

کبھی آئے نہیں ہو یاد کر کے تم سبق اپنا	تمہیں منظور ہے دل کی معلم کی پریشانی

سبق پوچھا گیا اور بن گئے تصویر درجے میں	لبِ خاموش سے کرتے ہو دعوائے زباں دانی

حسابِ دوستاں در دل سمجھ کر مار کھاتے ہو	نہ جانی صرف تم نے - ضربِ بید ہی فقط جانی

جو پوچھا نام اکبر شاہ کے جنرل کا بتلاؤ	تو فوراً بول اُٹھے رو کر کہ نادر شاہ دُرّانی

کھڑے ہو سامنے نقشے کے گو لنکا دکھانے کو	مگر نظریں ہیں شملہ پر، یہ ہے جغرافیہ دانی

یہ حالت فارسی کی ہے "ہمیدانم" زباں پر ہے	مگر افسوس ترکیبِ "ہمیدانم" نمی دانی

کہاں کی سنسکرت اُس پہنچ یہاں تک نہیں آتی	بڑے مُورکھ ہو - بیٹھے ہو بڑے چاتُر بنے گیانی

یہاں تو مدرسہ میں امتحاں ہوتا ہے سالانہ	مگر تم گھر میں لیٹے ہو بہ لطفِ تن آسانی

تمہاری حاضری کا حال روشن ہر زمانہ پہ	مدرس نے تمہاری آج تک صورت نہ پہچانی

تمہیں پڑھتے ہوا ہے اک زمانہ ہم نے یہ مانا	مگر رونا تو اسکا ہے وہی بولی وہی بانی

غنیمت ہے زمانہ یہ - اسے تم کام میں لاؤ	نہیں تو ٹھوکریں کھلوائیگی آخر یہ نادانی

خدا شاہد ہے سچ کہتا ہوں تمکو فیض پہنچیگا	مزے سے زندگی گذریگی میری بات اگر مانی

تمہارا مشفق و ناصح نہیں ہے دوسرا کوئی
مجھے تم جانتے ہو میں وہی باسط ہوں سبزوانی



دلِ ہمدرد

کیا کہیں آپ سے کس واسطے بیتاب ہیں ہم　　حال کیوں غیر ہے کیوں ماہی بے آب ہیں ہم
کیوں تڑپ دل میں ہے کیوں صورت سیماب ہیں ہم　　لب کشا آج پئے شکوۂ احباب ہیں ہم

مدتوں ضبط کیا اب نہیں یارا باقی
کوئی تدبیر نہ ہے اب کوئی چارا باقی

جس قرینے سے چلے ہم وہ قرینہ مشکل　　روز و شب خون جگر کا بھی ہے پینا مشکل
اپنے زخم دل صد چاک کا سینا مشکل　　ایسے آفات میں کیونکر نہ ہو جینا مشکل

ضبط سے کام لے انسان کہاں تک صاحب
شکوہ ہم لائیں نہ کسطرح زباں تک صاحب

یہ وہ شکوہ ہے کہ جو اپنے مقدر سے نہیں　　یہ وہ شکوہ ہے کہ جو قاتل خودسر سے نہیں
یہ وہ شکوہ ہے کہ جو گنبد اخضر سے نہیں　　یہ وہ شکوہ ہے کہ معشوق ستمگر سے نہیں

میرا شکوہ مسلمانوں کے بچوں سے مگر
میرا شکوہ نہیں غیروں سے ہے اپنوں سے مگر

ہائے افلاس نے بہتوں کو مٹا رکھا ہے　　شکر ہے تمکو زمانے نے بچا رکھا ہے
یوں مگر عیش نے دیوانہ بنا رکھا ہے　　ہنس کے کہتے ہو کہ تعلیم میں کیا رکھا ہے

جان کیوں مفت میں اپنی کوئی کھوئے صاحب
پاؤں پھیلا کے نہ کیوں چین سے سوئے صاحب

آئے بھی تم اگر اسکول تو پڑھنا کیسا　　شوق تعلیم دلوں میں نہیں باقی اصلا۔
سن لیا سیر تماشے کا اگر کچھ چرچا　　یوں کہا ہنس کے "چلیں ہم بھی ہیں۔ اچھا

چمکے کچھ دیر اگر صبح کے تارے کی طرح
چھپ گئے آنکھ سے بجلی کے نظارے کی طرح

ضد کا یہ حال ہے ہر بات پہ اڑ جاتے ہو
یوں ہی ہوتا ہے کہ بوجھ اکڑ جاتے ہو
ماں نصیحت کی کہے بات تو لڑ جاتے ہو
باپ تنبیہ کرے اس سے بگڑ جاتے ہو

یہ رہ و رسم یہ تہذیب و سلیقہ سیکھا
خوب تم نے بزرگوں کا طریقہ سیکھا

شکل استاد کی دیکھی نہیں بیمار ہوئے
یوں جلایا اسے یوں در پئے آزار ہوئے
جام عشرت کے اکیلے ہی طلبگار ہوئے
خوب مدہوش ہوئے خوب ہی سرشار ہوئے

پاس تہذیب کا تھا اور نہ خودداری کا
اس سے چلتا ہے پتہ صاف دل آزاری کا

فیشن ایبل ہیں اگر آپ تو کچھ باک نہیں
کون فیشن کا فدائی تہ افلاک نہیں
سچ کہیں آپ سے لطف اسکا مگر خاک نہیں
جوہر علم کا ہے آپ کو ادراک نہیں

یوں تو یہ بات نہیں آپ کو شایان صاحب
کچھ ترقی بھی کریں آپ نمایاں صاحب

محفل عیش بپا رہتی ہے ہر صبح و مسا
باتیں احباب سناتے ہیں تمہیں ہوشربا
سامنے جام بکف بیٹھا ہے اک ماہ لقا
دیکھئے بادہ عشرت کا وہ چکر دور چلا

نیند جلسوں میں نہ آتی ہے نہ خواب آتا ہے
جشن جمشید کا کیا خوب جواب آتا ہے

یہ کوئی بات ہے استاد ہدایت نہ کرے
تم جو تعلیم سے غافل ہو شکایت نہ کرے

درد ہو دل میں مگر اُسکی حکایت نہ کرے   فرض ہیں چاہیئے انساں کو رعایت نہ کرے

سچے ہمدرد ہیں اور کام کے انسان ہیں ہم
جھوٹ کہتے نہیں تم سے کہ مسلمان ہیں ہم

اسمیں کیا شک ہے کہ ہم غیر ہیں بیگانے ہیں   سچی باتوں کو بتاتے ہو کہ افسانے ہیں
شمع الفت کے مگر کیا کریں پروانے ہیں   تم سمجھتے ہو دل سے اسی بات کے دیوانے ہیں

دل سے چاہو تو یہ کوشش کبھی بیسود نہو
حیف صد حیف اگر دوستی بیسود نہو

چاہیئے تھا تمھیں تم سر بگریباں رہتے   کوئی سمجھاتا اگر تم کو پشیماں رہتے
اپنی تعلیم میں ہر رنگ سے کوشاں رہتے   شادماں رکھتے ہمیں آپ بھی شاداں رہتے

یاد تمکو نہ رہے کچھ بھی سلف کے انداز
دور اقبال کے وہ عہد شرف کے انداز

ہم تمہاری ہی بھی خواہی کو احسن سمجھے   جان سمجھے نہ کبھی اپنی نہ ہم تن سمجھے
دردمندوں کا نہ تم نالہ و شیون سمجھے   کیا ستم تمنے کیا دوست کو دشمن سمجھے

جو بھی رنگ ہے منہ اشکوں سے دھونا ہوگا
ابھی ہنستے ہو مگر بعد کو رونا ہوگا ؛ ہو

پھر میں کہتا ہوں نہیں تمنے ستایا مجھکو   غم کی تصویر نہیں تم نے بنایا مجھکو
سچ تو یوں ہے میری قسمت نے رلایا مجھکو   دل پرسوز کی گرمی نے جلایا مجھکو

اب بھی تم پر نہیں الزام گوارا مجھکو
بے خطا تم۔ دل ہمدرد نے مارا مجھکو

اشکِ پرخوں

ستمگر قدر کے قابل ہمارا اشکِ پرخوں ہے — کہ آنکھوں میں کہا جاتا ہے ایسا رنگ گلگوں ہے
تعجب کیا ہے ظالم اسقدر جو اسمیں لالی ہے — اسی خونِ تمنا نے مری حسرت نکالی ہے
یہ ہے پانی کا قطرہ اور گوہر نام اسکا ہے — رلا دینا بتانِ سنگدل کو کام اس کا ہے
یہ مے وہ ہے چھلک جاتی ہے جسدم شیشۂ دل کی — ٹپک پڑتی ہے آنسو بن کے جامِ چشمِ بسمل سے
ہوئی مدت کہ اس سے ہر طرح کا ربط تھا مجکو — مگر کھلنے نہ پایا بھید جب تک ضبط تھا مجکو
چھپا کر اسکو رکھا سربسر آنکھوں کے پردے میں — رہا کرتا تھا یہ نورِ نظر آنکھوں کے پردے میں
پلا کر خونِ دل اسکو بڑے نازوں سے پالا ہے — بہت بیدرد ہے کہ اسکو آج یوں باہر نکالا ہے
خدا حافظ ہے طفلِ اشک کا اللہ والی ہے — طبیعت شوخ ہے اسکی بڑا ہی لاابالی ہے

نکلکر آنکھ سے رخسار سے یوں اسکا ڈھل جانا — وہ پھر گرتے ہی گرتے میرے دامن پر مچل جانا
زمیں پر گر کے دامن سے وہ قصہ پاک ہو جانا — غضب ہے گوہرِ نایاب کا یوں خاک ہو جانا

کرشمہ ہے جو سچ پوچھو یہ سب رنگِ مجازی کا — خیال آیا نہ جسکو بھول کر بھی دل نوازی کا
کہاں امید یہ باسطؔ بتانِ شوخ پرفن سے — کہ پونچھیں بیٹھ کے وہ آنسو اپنے دامن سے

جو یادِ حق میں میں روتا تو دل پرنور ہو جاتا
نکلکر آنکھ سے آنسو چراغِ طور ہو جاتا

عشق بازغہ

جو حسن حضرت یوسف کا چرچا مصر میں پھیلا
پڑے دیدار مجنوں بنکے نکلی غیرت لیلےٰ

وہ شہزادی کہ جسکے ہاتھ تھی ہر وقت خنجر تیزی
پری پیکر پری صورت توانگر بازغہ نامی

وہ قوم عاد کی سردار مالا مال دولت سے
حسین و مہ جبین و شیرہ بہرہ مند عصمت سے

وہ حسن ظاہری و معنوی میں طاق بیشک تھی
زمانہ جانتا تھا شہرۂ آفاق بیشک تھی

دل وارفتہ پھر نذر لائے گو کہ شہزادے
مگر ٹھہرا نہ کوئی بھی غرور حسن کے آگے

قیامت ہو گئی جب حسن یوسف کی خبر پہونچی
تڑپ کر رہ گئی سنتے ہی سنتے جسکو شہزادی

زر و لعل و گہر وہ ساتھ اپنے بیش و کم لے کر
دیار مصر کی جانب چلی خیل و حشم لے کر

ورود بازغہ سے مصر میں ہنگامہ برپا تھا
گلی کوچہ میں حسن و عشق کا اسوقت چرچا تھا

جو چشم شوق سے اسنے جمال یوسفی دیکھا
کہا دل نے سنا تھا کم مگر کچھ اور ہی دیکھا

وہ رعب حسن سے اسکا یکایک ہوش ہی کھونا
مخاطب حضرت یوسف سے اسکا اسطرح ہونا

بتاؤ تو عطا کس نے کیا یہ حسن لاثانی
کہو تو کچھ کہاں سے آ گیا یہ نور پیشانی

بنایا کس نے خط و خال دلکش روئے انور میں
سیاہی یہ کہاں سے آ گئی زلف معنبر میں

ہلال عید سے بڑھکر کمان ابروے پرخم
کہوں محراب کعبہ ہے وہ شان ابروے پرخم

تمہاری چشم فتاں کے غضب سیاہیں ناوک ہیجو
کہ جیسے بس ہو گئے جس سے حرم کے خوش نظر آہو

ضیا ہے مصحف تاباں ہے صبح عید کا جلوہ
نظر آتا ہے جسکو دیکھکر توحید کا جلوہ

یہ دندان مصفا کے کہاں دُرِّ عدن پائے
لب لعلیں کے بتلاؤ کہاں لعل یمن پائے

سراسر روکشِ سروِ چمن یہ قد بالا ہے
کہو تو کسنے اسکو نور کے سانچے میں ڈھالا ہے

مسکانا چٹکیوں میں دل کہاں گفتار نے سیکھا
یہ فتنوں کا جگانا کس سے یوں رفتار نے سیکھا

سنی یہ گفتگو رضی اللہ عنہ حضرت نے فرمایا
اُسی کی سب یہ بخشش ہے عدم سے جو مجھے لایا

حقیقی جو ہے صانع اُسکی صنعت کا نمونہ ہوں
اُسی کے ہاں سے بحر بیکراں کا ایک قطرہ ہوں

فلک یہ کیا ہے اُسکی کلک کا ہے ایک ہی نقطہ
جہاں یہ کیا ہے بیشک اُسکے باغ حُسن کا غنچہ

سراسر تھی جمالِ پاک اُسکی ذات بے ہمتا
چھپائے تھا اُسے دامن میں اپنے غیب کا پردہ

بنایا آئینہ ہر ذرہ کو جلوہ فزائی کی
اُس آئینہ میں ڈالا عکس رُخ یوں خود نمائی کی

تری نظروں میں جو کچھ خوبصورت اور پیارا ہے
جو دیکھے تو اُسی کا عکس رُخ یوں جلوہ آرا ہے

نظر آئے تجھے جب عکس تو بڑہ اصل کی جانب
کہ بیشک اصل رہتا ہے ہمیشہ عکس پر غالب

معاذ اللہ یہ تیرا اصل سے یوں دور رہ جانا
فنا پھر عکس کا ہونا ترا سب بے نور ہو جانا

نظر کر اصل پر گر ہے بقا کی آرزو تجھکو
نگہہ رکھہ اصل پر گر ہے وفا کی جستجو تجھکو

وہ اسکی بیخودی تھی یا تھا کوئی خواب عرفاں کا
جو آئی آپ میں تو کھل گیا تھا باب عرفاں کا

مجازی ہو گیا جلوہ نما رنگ حقیقت میں
بلا کا فرق پیدا ہو گیا اوسکی طبیعت میں

بنایا ایسا استغنا نے اُسکے دلمیں گھر اپنا
خدا کے نام پر فوراً لٹایا سیم و زر اپنا

لب دریائے نیل اُسنے بنایا ایک معبد بھی
کہ جسمیں بیٹھکر اُسنے گذاری زندگی اپنی

ہوس کو چھوڑ دے انساں اگر خالق کا جویا ہے
نہیں کچھ اسمیں شک بیشک یہ تیرا قول سچا ہے

وہ ملجائیگا آغوش تصور سے قریں ہوکر
جو اسکو دیکھنا ہے دیکھ لے خلوت نشیں ہوکر

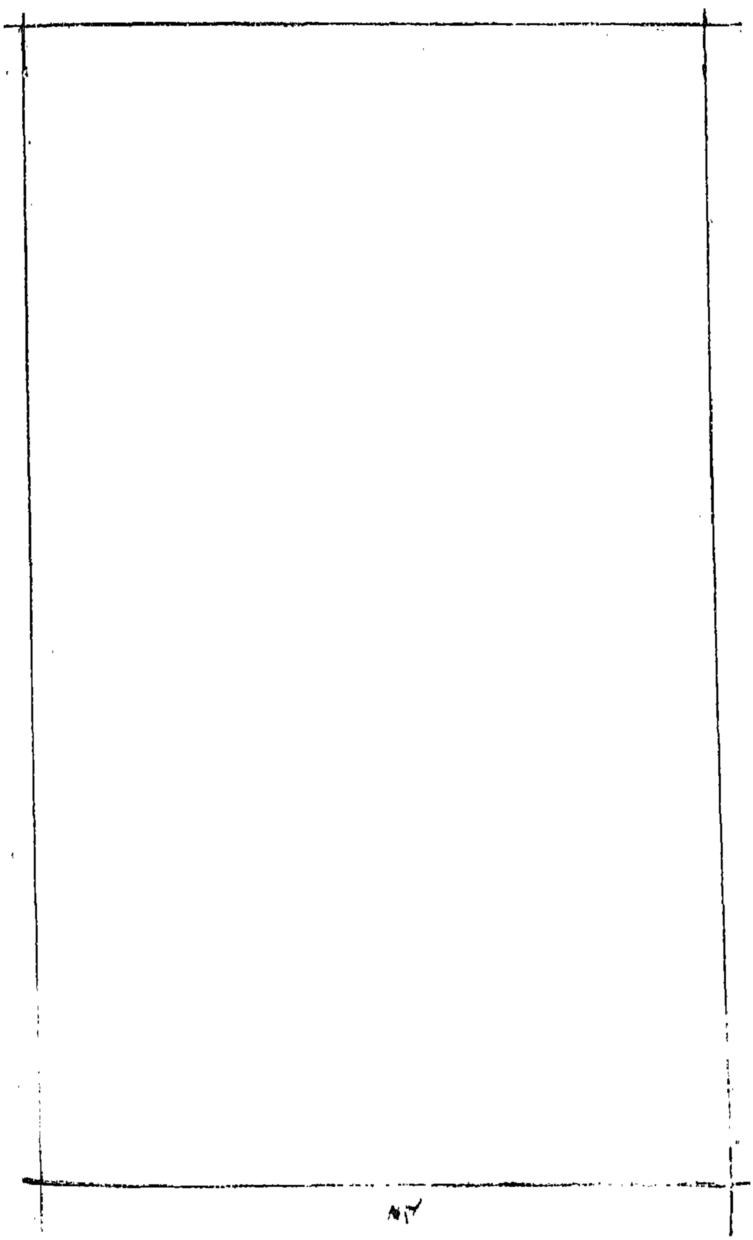
اتفاق

لب پہ ہو بیخودی میں فقط نام اتفاق — ساقی پلادے بادۂ گلفام اتفاق
نکلے نہ تیری بزم سے کوئی شکستہ دل — گردش میں کاش یوں رہے اب جام اتفاق
جو سن لے اسکے دلمیں اتر جائے حرف حرف — ایسا رسا ہو یہ مرا پیغام اتفاق
راتیں ہیں اتفاق کی دلچسپ دل پسند — دلکش ہیں دل پذیر ہیں ایام اتفاق
دیر و حرم کے چرچے نہ جھگڑے رہیں کوئی — ہر شیخ و شاب دل سے جو ہو رام اتفاق
جیتا ہے بیکسی میں کوئی ہمنشیں نہیں — مرتا ہے مفلس پیری میں ناکام اتفاق
دشمن کی کیا مجال کہ پہونچائے کچھ ضرر — قبضے میں ہو گئے جو صمصام اتفاق
آغاز اتفاق مبارک ہے ہر طرح — ہوتے بخیر دیکھا ہے انجام اتفاق
پستی نصیب یوں نہ ہوں افراد قوم کے — مدنظر رہے جو انہیں بام اتفاق
دنیا میں انکے واسطے عیش بہشت ہے — حاصل جنہیں جہاں میں ہے آرام اتفاق
میں صبح اتفاق کو تشبیہ رخ سے دوں — ملتی ہے زلف یار سے جو شام اتفاق
آزاد کوئی مجھکو نہ بہر خدا کرے — ہے لطف زندگی کا تہ دام اتفاق

لازم ہے پہلے دل سے نکالے نفاق کو
باسط زباں سے بعد کو لے نام اتفاق

مشاہداتِ فطرت

نیچرل



مشاہدات فطرت

نیچرل

پی کہاں

شاخ پر ظالم پپیہا گا رہا ہے "پی کہاں" ابھی بھیگی رات میں چلا رہا ہے "پی کہاں"
سننے والوں کو بہت تڑپا رہا ہے "پی کہاں" اے پپیہے پھر دل پر ڈھا رہا ہے پی کہاں

روح فرسا جاں لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

پی کہاں پھر پی کہاں پھر پی کہاں پھر پی کہاں جو یہی رٹ ہے یہی دھن ہے تو تیرا جی کہاں
نیند تجھکو رات بھر اسے غمزدہ آتی کہاں ہم سراپا گوش ہیں آواز تو نے دی کہاں

روح فرسا جاں لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

بادۂ الفت سے بھیا چور ہے رندانہ وار جھومتا ہے تو فضائے چرخ میں مستانہ وار
جل رہا ہے آتش فرقت میں تو پروانہ وار یہ صدا ہے "پی کہاں" لب پہ ترے دیوانہ وار

روح فرسا جاں لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

دیکھتا ہوں اپنے بستر سے تری بیتابیاں جانب مشرق کبھی ہے جانب مغرب رواں
جستجو سے یار میں جاتا ہے ہر سو بیگماں ہر گھڑی ہر وقت یہ دو لفظ ہیں ورد زباں

روح فرسا جاں لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

کس قیامت کا اثر ان میں بھرا ہی کوٹ کر | دل نہ تیرا ہوگا خوش سنج و الم سے چھوٹ کر
درد وہ ہے پی کہاں میں رہ گیا دل ٹوٹ کر | پھر سنی آواز تیری، رو دیئے ہم پھوٹ کر

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

کس نے سکھلایا تجھے یہ دل لگانے کا شعور | کس نے تیرے شیشۂ دل کو کیا ہے چور چور
مجرم الفت ہی شاید ہے یہی تیرا قصور | بولتا پھرتا ہے یوں جو رات بھر نزدیک و دور

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہی پی کہاں

تو ابھی دل کی طرح مضطر تھا فرش خاک پر | جب اڑا تو یوں اڑا پہنچا کہاں افلاک پر
بجلیاں تو نے گرائی ہیں دل غمناک پر | پی کہاں اک تیر ہے اس سینہ صد چاک پر

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہی پی کہاں

پی کہاں سنکر بہت سے عابد خلوت نشین | جنکا جز یاد الٰہی اور کچھ مطلب نہیں
ایسی گزری ان کے دل پر ہو گئے اندوہگیں | رو دیئے تیری صدا سنکر اسے تو کر یقین

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہی پی کہاں

پی کہاں کو تیرے کس نے زیر لب دہرا دیا | ہاں اکیلی رو رہی ہے بام پر اک مہ لقا
اس کا پی پردیس میں ہے یہ ہی گرفتار بلا | یہ اندھیری رات یہ برسات یہ کالی گھٹا

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

پی کہاں کی یہ صدا رہ رہ کے تڑپاتی رہی | کوک تیری اے پپیہے دل کو برماتی رہی
پی کہاں کو غمزدہ چپکے سے دہراتی رہی | زیر لب کہتی رہی، اسیر بھی شرماتی رہی

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

پی کہاں کے سحر نے دل پر کیا ایسا اثر | سو گئے لیکن وہی عالم رہا پیش نظر

درد و الفت نے تجھے رکھا سراپا باخبر	پی کہاں کہتے ہوئے پایا تجھے وقت سحر

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

محو ہوا اتنا تو کم سے کم خیال یار میں	درد ہوا اتنا تو اسے باسط دل بیمار میں

آہ سنکر لوگ رو دیں کوچہ و بازار میں	منہ سے نالہ بھی نکل جائے تری گفتار میں

روح فرسا جان لیوا یہ صدا ہے پی کہاں

رنگ بہار

پھر فصل بہار آئی اے ساقی میخانہ	پھر غیرت جنت ہے گلشن ہو کہ ویرانہ

پھر باعث زینت ہیں ہر سمت گل رنگیں	کروٹ سی بدلتا ہے پھر سبزہ بیگانہ

پر لطف ہے نظارہ پھر لالۂ دلکش کا	میگوں نظر آتی ہے پھر نرگس مستانہ

پھر آگ لگائے ہیں گلشن میں گل رنگیں	بلبل ہے فدا ان پر پھر صورت پروانہ

پھر حوض مصفا ہیں آئینے کا عالم	پھر گیسوئے سنبل میں ہے دست صبا شانہ

میرے دل مردہ میں پھر روح سی دوڑی ہے

ہیں باد بہاری کے انداز مسیحانہ

اسوقت جو پردے سے شیشے کی پری نکلے	محفل تری ای ساقی بن جائے پریخانہ

میری یہ تمنا ہے وہ جلوہ نمایوں ہو	شوخی میں بھی پنہاں ہوں انداز حجابانہ

تو اپنا کرم کر دے اب تشنہ دہانوں پر	اک ہاتھ میں شیشہ لے اک ہاتھ میں پیمانہ

لے تجکو سناتا ہوں میں ایک غزل ساقی	صدقے تری بخشش کے ہر شعر ہے رندانہ

لبِ لعلیں

اے لبِ شیریں و نازک اے لبِ رنگیں ادا اے لبِ جاں آفریں شوخ و پُر تمکیں ادا
اے لبِ گلرنگ و میگوں اے لبِ شیریں ادا روح پرور روح افزا اے لبِ لعلیں ادا

سامنے آئے زمیں پر دو ہلال آسماں
تو نے دکھلائے زمیں پر دو ہلال آسماں

برگِ گل کہتے ہیں تجھکو شاعرِ شیریں سخن تیری رنگینی کے آگے ہیچ ہے صحنِ چمن
سامنے کس منہ سے ہوں لعلِ بدخشاں میں کیوں نہ ہو قربان تجھ پر رنگِ گل تو ہے سمن

وہم تیری ہمسری کا جو کرے سنگِ عقیق
خوں نہ ہو کے مارے توں اڑ جائے سب رنگِ عقیق

فکرِ عالی چاہیے عنقا صفت مضمون ہے تو کلکِ قدرت کا نتیجہ صنعتِ بیچوں ہے تو
بیت دلکش تو ہے بیچ نازک و موزوں ہے تو چوٹ کرتے ہیں دلوں پر سحر ہے افسوں ہے تو

خوب ہیں دو حرف لکھے کاتبِ تقدیر نے
تجھکو آئینہ بنایا ہے اس تحریر نے

اے لبِ جاں بخش موجِ چشمۂ حیواں ہے تو مائلِ معجز نمائی عیسیٔ دوراں ہے تو
عاشقانِ خستہ جان و نیم جاں کی جاں ہے تو لعل و یاقوت و عقیقِ بے بہا مرجاں ہے تو

مجھ سے پوچھے کوئی اس قند مکرر کا مزا

آگیا دنیا میں مجھکو موج کوثر کا مزا

نازکی میں برگ گل کو کر دیا ہے تو نے مات — لطف شیرینی کا تیری شہد ہے یا ہے نبات

تیرے آگے چھپ گیا ظلمات میں آب حیات — روح پرور، روح افزا جانفزا ہے تیری بات

رشتۂ جان تو برائے عاشق جانباز ہے

عیسیٰ جان بخش بہر کشتگان ناز ہے

اے لب خاموش اب للہ گوہر بار ہو — توڑ دے مُہر خموشی، مائل گفتار ہو

تیری ہی جنبش سے شاید میرا بیڑا پار ہو — تصفیہ الفت کا ہو، اقرار - یا انکار ہو

چپکے چپکے ہو رہا ہے تو تبسم آشنا

پیارے لب للہ ہو جا اب تکلم آشنا

منتظر ہوں دیر سے معجز بیانی دیکھ لوں — چشمۂ حیواں و کوثر کی روانی دیکھ لوں

اے لب گلرنگ تیری گلفشانی دیکھ لوں — جور تو دیکھا بہت ہے مہربانی دیکھ لوں

ہے سراپا گوش بس تیری ہی ہاں کیواسطے

جاں لیوا ہے "نہیں" مجھ نیم جاں کے واسطے



بلبل اور شاعر

اے عندلیب گلشن میں ہوں ترا فدائی — اس صوت جانفزا کی اللہ رے دلربائی
بندہ سمجھ مجھے تو۔ حلقہ بگوش اپنا — تجھ سے کبھی نہ ہونگا میں طالب رہائی
چھپکر چمن میں اکثر گلبن کی آڑ سے بھی — پھروں سنی ہے تیری جاں بخش خوشنوائی
مردہ دلوں میں اکثر پھونکی ہے روح تونے — ہمنے تیری صدا کی دیکھی ہے جانفزائی
اے نغمہ سنج تجھ پر ہے ختم نغمہ سنجی — اک بات میں نے لیکن تجھ میں کبھی نہ پائی
تیری صدائے دلکش پہنچی نہ دور ہرگز — دنیا میں ہر جگہ پر اس کی نہیں رسائی

ممکن نہیں یہ تجھ سے۔ ایسا ترانہ گوئیے
بیٹھی رہے یہیں تو لیکن زمانہ گونجے

اے نکتہ سنج شاعر یہ تو ہے کام تیرا — ایسا ترا نہ دیکھا بیشک کلام تیرا
کچھ ایسی تان چھیڑی محظوظ ہو گئے سب — ممنوں ہو رہا ہے ہر خاص و عام تیرا
لطف سخن کی تیری اللہ رے رسائی — ہر سو بچھا ہوا ہے دنیا میں دام تیرا
تیرا کلام کیا ہے تسخیر کا عمل ہے — ہندو ہو یا مسلماں ہر اک ہے رام تیرا
سرشار ہے زمانہ اس بادۂ سخن سے — دنیا کی محفلوں میں چلتا ہے جام تیرا
آوازہ تیرا پہنچا یونان میں عجم میں — واصف ہے روم تیرا۔ مداح شام تیرا
تو ایشیا میں بیٹھا کرتا ہے نکتہ سنجی — پہنچا ہے جا کے یورپ لیکن کلام تیرا
چھوٹا نہیں ابھی تک پابندی وطن سے — غربت میں کیسے پہنچا بواسطہ یہ نام تیرا

تیرے شکستہ پر میں پرواز بھی نہیں ہے
ایسی رسا تو تیری آواز بھی نہیں ہے

شاہدِ معنی

اے قلم فکرِ رسا طبعِ رواں ہے درکار　　اے قلم لطفِ سخن، لطفِ زباں ہے درکار
اے قلم جذبۂ دل، سوزِ نہاں ہے درکار　　اے قلم شاہدِ معنی کا بیاں ہے درکار

حسنِ تحریر کا وہ رنگ وہ انداز ہے
دلربا صورتِ تصویر بصد ناز ہے

اے مری فکرِ رسا، طبعِ رواں تو ہے کہاں　　ساتھ دے تو بھی مرا لطفِ سخن لطفِ زباں
کر مدد بہرِ خدا جذبۂ دل، سوزِ نہاں　　اے قلم نامِ خدا لے کے ہو بسم اللہ رواں

کاش یوں آج دمِ فکر گل افشاں ہو جائے
صفحۂ کاغذ کا جو ہے صحنِ گلستاں ہو جائے

جتنے مرکز ہوں وہ ہوں مثلِ شہابِ ثاقب　　نقطے ہر طرح ہوں انجم کی ضیا پر غالب
کہکشاں سطر کی ایسی ہو نظر ہو راغب　　دائرے ایسے ہوں ہو نور کا جن کا قالب

زیبِ قرطاس ہر اک بیت ہلالی دیکھیں
الغرض چرخ کی کل شان جمالی دیکھیں

خوبیٔ حسنِ تخیل کا بھی انداز رہے　　سوز بھی اس میں ہو موجود ہم ساز رہے
طائرِ فکر رسائی سے نہ اب باز رہے　　لے خبر چرخ کی ایسا پرِ پرواز رہے

حسنِ بندش سے نہ ہو کوئی بھی پہلو خالی
پایۂ عرش کو پہنچے وہ ہو مضمون عالی

پھر بھی ہر لفظ کو اک قالبِ بیجاں کہیے　　جس میں خوشبو نہ ہو ایسا گل خنداں کہیے

بے نمکیں ہو جو مکان خانۂ ویراں کہیے　　بیمروت جو ہو وہ چشم حسیناں کہیے

حیف اگر شاہد معنی کا گزر اس میں نہیں

نظم بے کیف ہے وہ کچھ بھی اثر اس میں نہیں

جان لفظوں کے تناسب میں ہے ڈالی کس نے　　روح مضمون کے قالب میں ہے پھونکی کس نے

غیر کر دی ہے یہ حالت مرے دل کی کس نے　　جان یہ دیکھتے ہی دیکھتے لے لی کس نے

ناز و انداز یہ کس بت کے ہیں یعنی تیرے

سب کرشمے ہیں یہ اے شاہد معنی تیرے

ہیں ترے شاہد معنی ہیں جلیں انداز　　ہم سمجھتے ہیں مگر تیرا ہر اک عشوہ و ناز

تاڑ لیتے ہیں ترے اہل نظر راز و نیاز　　فکر معقول سے ہوتا ہے یہ در مشکل باز

گو ہر اک لفظ کے مستور پردوں میں مستور ہے تو

جلوۂ حسن سے آفاق میں مشہور ہے تو

ہم نے دیکھا نہ کبھی تجھسا دل آرا معشوق　　ایسی خوبی کا اس انداز کا پیارا معشوق

ایک عالم کا تو ہے انجمن آرا معشوق　　کس طرح ہم یہ کہیں تو ہے ہمارا معشوق

کونسا دل ہے کہ جس دل میں تری جا نہیں

کونسا گھر ہے کہ جس گھر میں تری راہ نہیں

عابد و زاہد و درویش فدا ہیں یکساں　　جان کھوتا ہے تری راہ میں ہر پیر و جواں

شکل عشاق مٹے جاتے ہیں خوبان زماں　　جان و دل سے ہیں غرض شیفتہ سب اہل جہاں

جس کو دیکھو وہ ترے عشق میں دیوانہ ہے

تو ہے وہ شمع کہ ہر اک ترا پروانہ ہے

صاف ظاہر ہے کہ یہ لطفِ سخن ہی تجھ سے — یہ ترو تازہ و شاداب چمن ہے تجھ سے

دُرِ مضمون بھی جو ہے درِ عدن ہی تجھ سے — قبر میں زندہ ہر اک اہلِ سخن ہے تجھ سے

شاہدِ معنی اگر تجھ سے ہو مضمون خالی

پرتوِ نور سے ہے دیدۂ میگوں خالی

تیرے دیدار سے دل شاد ہیں مسرور ہیں ہم — فکر و آلام زمانہ سے بہت دور ہیں ہم

چشمِ میگوں کو تری دیکھ کے مخمور ہیں ہم — عشق میں تیرے جو مجنوں ہوں تو مجبور ہیں ہم

اے صنم جس گھڑی باسط تجھے پا جاتا ہے

فرطِ شادی سے وہیں وجد میں آ جاتا ہے

غزل

مست مئے وحدت ہوں کعبہ ہو کہ بتخانہ — ہر جا نظر آتا ہے وہ جلوۂ جانانہ

ساقی میں بہک اٹھوں کم ظرف نہیں ایسا — لنڈھ دیئے جاؤ تو ساغر ہو کہ پیمانہ

کعبہ کی طرف جاؤں کیا اسکی ضرورت ہے — کافی ہے پئے سجدہ مجکو درِ مئے خانہ

ہاں ساقیِ کوثر کا دیدار میسر ہو — لبریز ہو اے ساقی جب عمر کا پیمانہ

یوں چور ہوئے باسط تو بادۂ عرفاں سے

بن جائے تری رہبر ہر لغزشِ مستانہ

جوانا مرگی

بستر غم پر پڑی ہے اک عروس نازنیں چپکے بیٹھے ہیں سر بالیں عزیز و ہمنشیں
انتہائے یاس ہیں سب کو ہوا ہے یہ یقیں موت اب آنیکو ہے جسکا کوئی چارہ نہیں

ہائے اب ویران باغ زندگی ہونیکو ہے
گل کسی دم میں چراغ زندگی ہونیکو ہے

اب کہاں زلف چلیپا کی وہ عنبر بیزیاں اب کہاں اس چشم میگوں کی وہ فتنہ خیزیاں
اب کہاں شیریں کلامی میں وہ تلخ آمیزیاں اب کہاں رنگیں لبوں کی وہ تکلم ریزیاں

یوں پیئے بیوقت تو اے نازنیں جام اجل
آئی کیا کافر جوانی بنکے پیغام اجل

کل نئی اے گلبدن یاں گل ہی تو شادی ہوئی آج قید عالم فانی سے آزادی ہوئی
رہ بنی دو مردن میں موت کی وادی ہوئی گھر تو ویراں ہوگیا جنگل کی آبادی ہوئی

کیسی بیموقع ہوئی تجھ پر یہ بیداد اجل
کیا اسی کی تاک میں بیٹھا تھا صیاد اجل

کاہش غم سے ہوا گل سا بدن بھی خار اب پاؤں سے سر تک ہی ٹھنڈا ترا جسم زار اب
کیا قیامت خیز ہے وہ شوخیٔ رفتار اب تجھ سے ہی تیرے اعزا کو بھی بیشک عار اب

تو سراپا نقش عبرت یاس کی تصویر ہے
تجکو مٹی میں ملانے کی مگر تدبیر ہے

نامرادِ دہرِ فانی تو ہو ناکام جہاں — کیا کرے سوزِ نہانی کا ترے باسطِ بیاں
وہ دمِ آخر تری آنکھوں سے ہونا خوں رواں — چپکے چپکے پھر یہ کہنا "دیکھنا وہ ہیں کہاں"

کہہ کے اتنا وہ ترا بے ہوش ہونا یاد ہے
سازِ ہستی کا ترے خاموش ہونا یاد ہے

ماہِ روشن

اشتیاقِ دید میں، میں منتظر تھا شام سے — ہر گھڑی آنکھیں لگی تھیں چرخِ نیلی فام سے
گوشۂ صحنِ چمن میں، میں کھڑا تھا دم بخود — خواب سے مجھکو غرض تھی اب نہ کچھ آرام سے
بڑھ چکی تھی رات طاری تھا سکوں آفاق پر — دل کو مجھسے کام تھا مجھکو دلِ ناکام سے
عزم پختہ تھا مرا میرا ارادہ مستقل — دور تھا اسوقت میں کوسوں خیالِ خام سے
اسکی قدرت کا صحیفہ تھا مرے پیشِ نظر — بے خبر تھا دل مرا آغاز سے انجام سے
اک زمانہ چین سے اسوقت محوِ خواب تھا — بیخبر تھے سب خیالِ گردشِ ایام سے
خاکدانِ دہر تھا شہرِ خموشاں کا جواب — تھا نشانِ زندگی اسوقت میرے نام سے
گیسوئے فطرت میں الجھا تھا دلِ ناداں مرا — تھا نہ طائرِ روح حاصل آج قیدِ دام سے
ناگہاں سوئے افق اک شعلہ رو آیا نظر — جلوہ ریزی کر رہا ہو کوئی جیسے بام سے
آگیا وہ نور پیکر نور برساتا ہوا آہا، آہا، آہا — ہائے جسکی یاد میں بے چین تھا میں شام سے

ماہِ روشن جلوہ آرا تھا اندھیری رات میں
دل مرا ڈوبا ہوا تھا فطرتی جذبات میں

حنا

اے حنا میں کیا کہوں تیرا جو رنگیں حال ہے ۔۔۔ ہاں تری توصیف میں میری زباں گنگ و لال ہے
زینتِ گلزار تو ہے رونقِ بزمِ چمن ۔۔۔ کرمکِ شب تاب تجھ میں شب کو ہیں جلوہ فگن
ہر روش پر ایستادہ صورتِ دیوار ہے ۔۔۔ تیرے دم سے رونقِ صحن و درِ گلزار ہے
تیرے دم سے یکساں سرسبز رہتا ہے چمن ۔۔۔ رنگ سے تیرے ہیں رنگیں دستِ خوبانِ زمن
تیرا ظاہر سبز ہے باطن سراپا لال ہے ۔۔۔ دیکھ لیں اہلِ نظر عبرت فزا یہ حال ہے
سبز شیشے کا تو گویا ایک نازک جام ہے ۔۔۔ جس کے پردے میں بھرا خونِ دلِ ناکام ہے
تجھ کو زیبا ہے کہیں ہم پردہ پوشِ دردِ دل ۔۔۔ ایک عالم سے جدا بیتاب ہے تیر آتشِ گل
ٹٹیاں تیری مدد دیتی ہیں کچھ صیاد کو ۔۔۔ یہ پھنسا دیتی ہیں ظالم بلبلِ ناشاد کو
ایک ہی رنگیں ادا ہے کیوں نہ ہو گلشن میں تو ۔۔۔ رنگ لاتی ہے مگر کچھ اور ہی ساون میں تو
شہرۂ آفاق یہ رنگیں ادائی ہے تری ۔۔۔ اے حنا بزمِ حسیناں تک رسائی ہے تری
آسماں نے تجھ کو پیسا ظلم پیہم سہہ گئی ۔۔۔ پاؤں میں اس بت کے لیکن رنگ بنکر رہ گئی
ہاتھ میں پہنچی تو پھر دزدِ حنا کہلائی تو ۔۔۔ دستگیری کی بتوں کی رنگ کیا کیا لائی تو
باسطِ خستہ کے زخمِ دل سے تجھ کو کیا غرض ۔۔۔ بیکسانِ عشق کی مشکل سے تجھ کو کیا غرض

مٹ کے مجھ کو بھی مٹایا تیری شوخی مان لی
ہاتھ میں اُس بت کے پہنچی اور میری جان لی

برسات

اے ساقی تو یہ شکن ہے ۔ اے رشک گل رشک چمن
ہاں اے مہ پرتو فگن ۔ صدقے ہے تجھ پر جان و تن

پھر جھوم کر اٹھی گھٹ ۔ موسم ہے یہ برسات کا
کیا ہے ہوائے جانفزا ۔ دے جام مئے بہر خدا

پھر تیرا فیض عام ہو ۔ رندوں میں تیرا نام ہو
دور مئے گلفام ہو ۔ پینے سے مجھکو کام ہو

ساقی ترا دل شاد ہو ۔ تو شاد ہے آباد ہو
ہر رنج سے آزاد ہو ۔ رندوں کو تیری یاد ہو

اے ساقی تو یہ شکن ۔ دے بادۂ صاف و کہن
ہو دور سب رنج و محن ۔ چوکھا رہے رنگ سخن

برسات ہے برسات ہے ۔ کیا بات ہے کیا بات ہے
کیا دن ہے کیسی رات ہے ۔ قادر خدا کی ذات ہے

گل کا نرالا ڈھنگ ہے　　یاقوت بھی پاسنگ ہے
سبزہ زمرد رنگ ہے　　خود جوہری بھی دنگ ہے

سنبل کی زلف عنبریں　　لالے کا داغ دل نشیں
نازک بدن ہے یاسمیں　　بیلا کہیں چمپا کہیں

دلکش ہے کیا رنگ چمن　　کیا کیا ہیں گل جلوہ فگن
سوری و نسرین و سمن　　یہ نازبو وہ نسترن

کوئل کی کوکو جاں ستاں　　وہ مور کا شور و فغاں
سنکر اٹھا درد نہاں　　بولا "پپیہا" پی کہاں

قمری فدا شمشاد پر　　بلبل گلوں کی یاد پر
دل اک ستم ایجاد پر　　ہیں بے وفا صیاد پر

شفاف ہیں کیا آبجو　　صحن چمن میں چار سو
آئینہ ہو گرد و برو　　ہو خاک اس کی آبرو

سرسبز ہے سارا جہاں　　پرنور ہیں کون و مکاں
دیکھو زمین و آسماں　　کیا پیارا پیارا ہے سماں

آنکھوں میں پُر انور رہے	پہلو میں دل مسرور رہے
ساقی جو رشکِ حور رہے	توبہ بھی کوسوں دور رہے

وہ اٹھی متوالی گھٹا	وہ آگئی کالی گھٹا
وہ بجلیوں والی گھٹا	جائے گی کب خالی گھٹا

باسط کا یہ رنگِ سخن	ایسا کہاں طرزِ حسن
یہ حسن بندش کی پھبن	قائم رہے یہ بانکپن



برسات کا سماں

اے فکرِ رسا کھینچ دے برسات کا نقشا | خاکا ہو کہیں دن کا کہیں رات کا

کھل جائیں کچھ اس رنگ سے گلہائے مضامین | شرمائے اگر سامنے ہو دامنِ گلچیں

چوبِ قلم خشک و دمِ فکر ہری ہو | کاغذ کی جو ڈالی ہو وہ پھولوں سے بھری ہو

یہ حسن کا جلوہ ہے کہ برسات کا عالم | کیا جوشِ نمو پر ہے نباتات کا عالم

جو ہے شجرِ سبز وہ گلپوش ہوا ہے | گلزار بھی فردوس سے ہمدوش ہوا ہے

عالم کو ہے بدلے ہوئی برسات کا عالم | دیکھے تو کوئی آج نباتات کا عالم

پہلے کی زمیں یہ ہے کہ ہے کوئی زمیں اور | یہ چرخ وہی ہے کہ کوئی چرخِ بریں اور

برسات نے پھونکا ہے عجب سحرِ فسوں ساز | پردے میں زمیں کے کوئی باقی نہ رہا راز

چھایا ہے عجب ابرِ گہر بار فلک پر | ہیں قوس سے ہر رنگ کے آثار فلک پہ

پھولوں سے ہے رنگیں یہ کہسار کا دامن | یا ہے کسی گلچیں طرحدار کا دامن

میں کیا کہوں کیا فیضِ نسیمِ سحری ہے | غنچے کی جگہ پھول کی اب جلوہ گری ہے

برسات جو آئی تو ہوئے خوش کس و ناکس | ہر سمت ہوئی شامِ اودھ صبحِ بنارس

آتا ہے نظر چار طرف پانی ہی پانی | مشکل سے کہیں پاؤ گے خشکی کی نشانی

اٹھلاتے ہوئے کیوں نہ بہیں جوش میں دریا | یوں آپ سے باہر ہیں نہیں ہوش میں دریا

شمشاد سے مانوس ہے کس شوق سے قمری | گردن نہ نکالیگی کبھی طوق سے قمری

بلبل بھی کہیں ذوق سے ہے زمزمہ پرداز
اور جوش مسرت سے کہیں ناچتے ہیں مور

کوئل نے بھی چھیڑا ہے کہیں اپنا جدا ساز
وہ پانی برستے ہیں کوئی اُنکا سنے شور

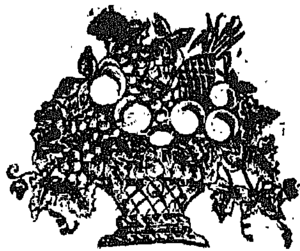
کچھ اور پپیہے کی ہے فریاد کا انداز
"پی پی" کی لگاتا ہے یہ آواز پر آواز

دریا کا جو ساحل ہے وہ سبزہ سے ہرا ہے
اس پر یہ قیامت ہے کہ پھولوں سے بھرا ہے

صحرا و جبل و دشت جو ہے آج چمن ہے
برسات تو مشاطہ ہے دنیا میں دلہن ہے

باسط نے بھی دیکھا تری صنعت کا کرشمہ
برسات یہ کیا ہے تری قدرت کا کرشمہ

ہر ذرہ میں ہر قطرہ میں عالم نظر آیا
میں پھر بھی یہ کہتا ہوں۔ بہت کم نظر آیا



عروسِ سوگوار

چھوڑ کر مجکو سفر پر مرے جانے والے — پیٹھ دکھلا کے مجھے مُنہ نہ دکھانیوالے
ہاں تصور کی طرح دل میں سمانیوالے — مرے سرتاج پلٹ کر نہ پھر آنیوالے

بھول جانا مجھے ہرگز نہ تھا زیبا تمکو
یاد کچھ بھی نہ رہا وعدہ فردا تمکو

کس کی الفت میں مگر ایسے وفا کوش ہوئے — کس کی الفت کا پیا جام کہ مدہوش ہوئے
شاہد حسن اجل سے جو ہم آغوش ہوئے — دور افتادہ جو ہم تھے وہ فراموش ہوئے

زندگانی نہیں فرقت میں گوارا ہمکو
ہائے بے وقت کی اس موت نے مارا ہمکو

تم نے دیکھا تھا کہ میں حور عدن تھی بیشک — قد دلجو تھا مرا۔ سرو چمن تھی بیشک
شمع خوباں کی طرح جلوہ فگن تھی بیشک — جس گھڑی تم تھے سہارے میں دلہن تھی بیشک

آسماں ٹوٹ پڑا ۔ میرا رنڈاپا دیکھو
نخل ماتم ہوں سراپا ہیں سراپا دیکھو

حال دیکھو تو مرا ماہی بے آب ہوں میں — مضطرب آٹھ پہر صورت سیماب ہوں میں
غم کے دریا میں جو پڑتا ہے وہ گرداب ہوں میں — جان کمبخت نکلتی نہیں بیتاب ہوں میں

وقت غربت ہیں مرے چین سے سونیوالے
جان کھوتے ہیں ترے ہجر میں رونیوالے

میرے لب تھے اگر اعجاز نما تیرے لئے — میری رفتار سے محشر تھا بپا تیرے لئے

ناز تھا عشوہ تھا غمزہ تھا ادا تیرے لئے   حسن دلکش کا مرے نام ہوا تیرے لئے

جس کے دم سے مری زینت تھی وہ ساماں نہ رہا

حُسن گل ہیچ ہے جب بلبل نالاں نہ رہا

آئینہ دیکھ کے کیوں ہوتا ہے حیراں مجھکو   کاٹے کھاتے ہیں یہ کیوں گیسوئے پیچاں مجھکو

تنگ کرتا ہے گلے مل کے گریباں مجھکو   ڈوب مرنے کو سکھاتا ہے زنخداں مجھکو

دل نہ سنبھلے گا مرا لاکھ سنبھالو مجھکو

گھر سے للہ بسترن ہوں نکالو مجھکو

گل پژمردہ ہے چہرا مرا شاداب نہیں   آئینہ تھا کبھی اب آب نہیں تاب نہیں

پہلی سی ابروئے خمدار کی محراب نہیں   سجدہ جو کرتا تھا وہ شیخ نہیں شاب نہیں

کیا کہوں کیسا پریشاں یہ مرا حال ہے اب

زلف پرخم بھی مری جان کا جنجال ہے اب

چشم فتاں میں کہاں ہے مری جادو باقی   اب لگا ہونکے نہیں ناوک دلجو باقی

گل رخسار میں ہے رنگ نہ اب بو باقی   لب جاں بخش کی اصلا نہیں وہ خو باقی

مسّی آلودہ لب خشک نہیں مرے مگر

ان پر آہوں کا دھواں رہتا ہے اب آٹھ پہر

اب تو پہلی سی مری آنکھ میں تنویر نہیں   نقش جادو وہ اٹھا سرمے کی تحریر نہیں

زلف شبگوں جو سنواروں مری تقدیر نہیں   اب پریشاں ہے۔ وہ زلف گرہ گیر نہیں

کہنے کو گوہر دنداں ہیں مگر آب نہیں

نام کو سیب زنخداں مرا شاداب نہیں

اب کہاں ہیں مرے ہنس ہنسکے رولانیوالے — باہیں پھر ڈالکے گردن میں منانے والے
اف کہاں ہیں وہ مرے ناز اٹھانیوالے — کچھ تو بتلائیں مجھے ہائے زمانے والے

ہاں سہاگن رہی اس سے مجھے انکار نہیں
چار دن سے میں زیادہ کی گنہگار نہیں

نوعروسی کی مسرت کا زمانہ دیکھا — چار دن کا یہ مرا عہد شہانہ دیکھا
غم کے آنے کا بھی یہ طرفہ بہانہ دیکھا — میں ہوئی تیر حوادث کا نشانہ دیکھا

دیکھتے دیکھتے وہ ناز عروسی نہ رہا
بات کی بات میں انداز عروسی نہ رہا

ہائے اس چرخ کو اتنا ہی گوارا ہوتا — دم آخر تو مجھے انکا نظارہ ہوتا
منہ سے کچھ کہتے جو تقریر کا یارا ہوتا — ورنہ تسکین کو آنکھوں کا اشارہ ہوتا

بے کسی کا سر بالیں نہ نظارہ کرتے
میرے زانو پہ وہ دنیا سے کنارہ کرتے



انگور

آفاق میں تو نام سے مشہور تو ہی ہے
کہتے ہیں تجھے رز، عنب انگور تو ہی ہے

خوشہ ہے ترا غیرت صد خوشۂ پرویں
وابستہ ہے دامن سے ترے گوشۂ پرویں

دھوکے سے لگے ٹھیس تو خونابہ رواں ہو
نازک ہے بدن ایسا کہ شیشہ کا گماں ہو

سرسبز بنانے کو تجھے خون سے سینچا
تشکیل مئے گل رنگ ترے خوں کو کھینچا

لکھتے ہیں اطبا تجھے نسخے کے ورق میں
دارو ئے شفا بنتا ہے بیمار کے حق میں

صحن چمن و باغ میں ٹٹی میں چھپا تو
سایہ میں مغاں کے کبھی بھٹی میں چھپا تو

جلوہ ترا ہر شکل میں واللہ غضب ہے
گہہ دختر رز ہے تو گہے بنت عنب ہے

دیتا ہے زمانے میں تجھے کون دلاسا
ہر شخص کو دیکھا ہے ترے خوں کا پیاسا

رندوں کے لیے ہے مئے گلگوں تمنا
پی لیتے ہیں ظالم وہ ترا خون تمنا

شیشے سے نکل کر تو کبھی جام میں چھلکا
پہنچا جو لبوں تک دل ناکام میں چھلکا

کیا ظلم ہے تو باغ سے جس وقت جدا ہو
عالم ہو اسیری کا پٹاری کی ہوا ہو

پوشیدہ ترا قطن کے پھاہوں سے بدن ہے
یہ عالم غربت کا تیرے ساتھ کفن ہے

خوبی تری اک سمت شیخ جی جان کی دشمن
پھر شیخ کا یہ قول کہ ایماں کی دشمن

مے سے تری زاہد کو سروکار نہیں ہے
شربت ہے مگر اسکو بھی انکار نہیں ہے

اک بات مگر اے مرے انگور بتا دے
پردہ جو پڑا ہے اسے للہ اٹھا دے

جلوے یہ نمایاں ہیں تری آب کے گل کے
یا تاک میں پہنچے ہیں پھپھولے مرے دل کے

شبِ دیجور

ترے حسنِ سیہ کا اے شبِ دیجور کیا کہنا
پریشاں ہے ہوائیں جیسے زلفِ حور کیا کہنا

بہت ہی خوب ہے لیلائے شب جو نام تیرا ہے
دلائے یاد مجنوں کی ہمیں یہ کام تیرا ہے

تجھے اہلِ نظر کہتے ہیں بیشک رات کا پردہ
ترے دم سے تو کل عالم ہوا ظلمات کا پردہ

تو خود ہے ظلِ رحمت تیری رحمت کی کیا حد ہے
مشابہ تیری رنگت سے بہت کچھ سنگِ اسود ہے

ہزاروں اہلِ دل بن بیٹھے تری رنگت کے شیدائی
غلافِ کعبہ بن کے حاجیوں کو نورِ بینائی

کہوں کس جا۔ کہاں۔ اور ہائے کیا کیا بن کے پہنچی ہے
تو پتلی آنکھ میں دل میں سویدا بن کے پہنچی ہے

ختن میں چین میں ہیں تیرے ہم آہنگ کیا کہنا
مسلط ایک عالم پر ہے مشکی رنگ کیا کہنا

قیامت ہے کہ پیشانی کی بھی تحریر میں پہنچی
سیاہی بن کے ظالم تو خطِ تقدیر میں پہنچی

تجھے دن پر فضیلت ہے کہ بڑھ کر بات ہے تیری
مؤخر ذات ہے اسکی مقدم ذات ہے تیری

اگر دن کی ہے کچھ عزت تو اے شب تیرے ہی دم سے
نہیں تو اٹھ گئی ہوتی یہ قدرِ نورِ عالم سے

سیاہی سے تری خالی نہیں تحریر سرمہ کی
جگہ آنکھوں میں پائی دیکھ تو تقدیر سرمہ کی

ستاروں نے مگر آکر ترے دامن میں آفت کی
دکھاتے ہیں وہ رہ رہ کر کشاکش نور و ظلمت کی

سیاہی سے ہوا کرتی ہے چشمِ مست کی خوبی
ترے رنگت سے زلفِ یار دیتی شانِ محبوبی

ترے دم سے منور ہے پری تمثال کی صورت
مزہ دے جاتی ہے ظالم یہاں بھی خال کی صورت

مرے سر پر کہیں رحمت کا بادل بن کے چھا جاتی
مرے محبوب کی زلفِ مسلسل بن کے چھا جاتی

شیاما

اے میری پیاری شیاما رہ رہ کے گانیوالی　　میٹھی سروں میں دلکش بنسی بجانیوالی

توحید کا دل آرا نغمہ سنانے والی　　حیرت سے ایک عالم کو بت بنانیوالی

اک تان پھر لگا دے اے گنگنانیوالی

بیمثل ہے تو یکتا تو فرد ہے یگانہ　　منہ کھولیں تیرے آگے کیا مطرب زمانہ

یہ داستاں دلکش یہ جانستاں فسانہ　　ناوک ہے تیر نغمہ دل ہو گیا نشانہ

اے درد بن کے میرے دل میں سمانیوالی

عشاق غمزدہ سے رکھتا ہے ساز نغمہ　　بیشک ہے روح پرور یہ جاں نواز نغمہ

دنیا سے کہہ رہا ہے الفت کا راز نغمہ　　مجھ سے تو کوئی پوچھے یہ جاں گداز نغمہ

تیری صدا ہے ظالم دل کو مٹانیوالی

کیا جانے کس گھڑی تو روزن میں آکے بیٹھی　　بیٹھی رہی تو لیکن صورت تری نہ دیکھی

خوش ہو کے تو نے ظالم پھر راگنی یہ چھیڑی　　رنجور ہو رہا ہے سنکر حالت نہ پوچھ دل کی

مردہ دلوں کو تو ہے بیشک جلانے والی

خالق نے ہے بنائی کیا پیاری پیاری صورت　　شیاما ہے نام تیرا کیا سانولی ہے مورت

یہ شب گھڑی ہے ظالم بیشک ہے سب مہورت　　لائی تجھے یہاں تک یوں کونسی ضرورت

اے بے بلائے میری مہمان آنے والی

آئی بہار کا تو بیشک پیام لے کر　　بزم جہاں میں گھومی الفت کا جام لیکر

چونکا دیا ہے ہمکو نالوں سے کام لیکر　　سرشار ہو گئی ہے خالق کا نام لیکر

جنگل کی تو ہے جوگن بنسی بجانے والی

رنگیں مزاج تو ہے۔ شیاما ہے نام تیرا　　الفت کا اک سبق ہے دلکش پیام تیرا
سرشار کر رہا ہے باآسط کو جام تیرا　　دل ٹکڑے ٹکڑے کرنا بیشک ہے کام تیرا

ہاں اڑ نہ جانا مجکو گا کر رولانے والی ۱۶

منقار ہے یہ تیری یا شیام کی ہے مرلی　　یا اک اسیر عشق ناکام کی ہے مرلی
اے مست پر یہ تجھسے گلفام کی ہے مرلی　　پوچھے تو کوئی مجھسے کس کام کی ہے مرلی

سوز نہاں ہے ہردم دل کو جلانے والی

چرچے تھے اسکے کیا کیا ہاں برج باسیو نمیں　　گونجیں صدائیں اسکی جنگل کی وادیو نمیں
جادو سا پھونک مارا گوکل کی دیویو نمیں　　عالم تھا بیخودی کا متھرا کی گوپیوں میں

رادہا ہے اسکی شاہد۔ اگلے زمانے والی

چونکا دیا ہے ظالم۔ محو سخن کو تو نے　　اوجھل کیا نظر سے رنگین چمن کو تو نے
مجھسے چھوڑایا میرے گل پیرہن کو تو نے　　اُس عالم تصور۔ اُس انجمن کو تو نے

داد سخن تو دے کچھ اے چہچہانے والی

کیونکر کہوں میں تجھکو رنج والم نہیں ہے　　لب پر فغاں نہیں ہے اور چشم نم نہیں ہے
شیون سے تیرے ظاہر کیا سوز و غم نہیں ہے　　یہ راگ تیرا بیشک دیپک سے کم نہیں ہے

خود جل بجھے نہ ظالم سبکو جلانے والی

باغ جہاں میں بنکر شاد ہی رہے تو　　نیرنگیٔ جہاں سے آزاد ہی رہے تو ۱۶
خرم رہے ہمیشہ دل شاد ہی رہے تو　　تو صید ہو نہ ہرگز۔ صیاد ہی رہے تو ۱۶

تیری صدا ہو یوں ہی دل کو پھنسانیوالی

کنول کا پھول

یوں شگفتہ ہیں کنول کے پھول روئے آب پر نقش دلکش جسطرح ہوں چشمۂ سیماب پر
دیویاں جمع ہو گئے ہیں ہر طرف تالاب پر حوض کوثر بھی مٹا ہے اسکی آب و تاب پر

دل جو کہتا ہے کہ یہ خلد بریں کا باغ ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ میرا سینہ پر داغ ہے

قدرت خالق نظر آتی ہے شان کبریا رہکے پانی میں بھی رہتا ہے یہ پانی سے جدا
دیکھکر اسکو سبق حاصل ہوا ہے برملا کس طرح ہم طے کریں یہ زندگی کا راستہ

ہمنشیں کی خوئے بد کا اپنے دل میں گھر نہ ہو
رہکے پانی میں کنول کا جیسے دامن تر نہ ہو

شام کو اک خستہ دل اڑتا ہوا آیا ملول نا بکر دشت محبت کا سراسر عرض و طول
دیکھ لیں اہل جہاں معشوق کا حسن قبول بھونرا وہ بیٹھا ہے اس میں بند ہوتا ہے کنول

شام کو سینے سے لپٹے عشق کے وہ جوش میں
صبح تک بیٹھا رہے محبوب کے آغوش میں

روز روشن ہو گیا پھر رات کا پردہ اٹھا مہر انور پہ کنول کا پھول ہے کیا کیا فدا
ہے تبسم کا سبب اسکے لیئے اسکی ضیا پھر شگفتہ ہو گیا پھر ہنس پڑا پھر کھل گیا

پھر شعائیں ہم بغل ہیں پھول سے تالاب سے
وصل یوں حاصل ہوا پھر مہر عالمتاب سے

کھول کر چشم حقیقت لطف باراں دیکھئے حسن قدرت کا ذرا جلوہ نمایاں دیکھئے

ہر شگفتہ پھول کا اسوقت وا ماں دیکھئے | قطرہائے آب کے گوہر درخشاں دیکھئے

جلوہ افگن ہیں کنول کے پھول ڈئے آب پر
یا مرصع ساغر بلوریں تالاب پر

صورت دل ہیں کنارِ آب کھنچکر آگیا | صورت آئینہ ہیں حیران و ششدر آگیا
کیا کہوں آنکھوں کے آگے طرفہ منظر آگیا | دور ہی ساغر رہا اور مجکو چکر آگیا

جو کلی ہے پھول کی وہ نرگس مستانہ ہے
جسطرف آنکھ اٹھتی ہے گردش ہیں اک پیمانہ ہے

دیکھکر تجلو کنول آئی ہے کملا کی یاد لا | مجکو حیران کر گئی اک آئینہ سیماب کی یاد
گو کہ ہے محبوب۔ محبوب جہاں آرا کی یاد | دل کے ٹکڑے کر گئی لیکن رخ زیبا کی یاد

نیم بسمل کر دیا مجکو کسیکی یاد سے ہا
ہائے تو نے کیا کیا یہ باسط ناشاد سے



وطن

بنا کر لیجئے اپنا بخشش عام وطن — شیخ ہو یا برہمن ہر ایک ہے رام وطن

ہے مری صبح وطن صبح بنارس سے سوا — بڑھکے ہے شام اودھ سے ہر طرح شام وطن

نام آزادی کا بھولے سے نہیں لیتا کبھی — مرغ دل کو بھا گیا کچھ اسطرح دام وطن

پرتو مہ سے ہوا برق تجلی کا گماں — طور کا جلوہ دکھاتے ہیں در و بام وطن

راحتیں غربت کی اتنا تو مزہ دیتی نہیں — کس قدر پر لطف ہیں باسط کو آلام وطن

عاشق شیدا سے کیوں چھوٹے دل آرام وطن
ساتھ میرے نام کے لے لیجئے نام وطن

مصر کے بازار سے بڑھکر ہے بازار وطن — میں غلام بے درم ہوں اے خریدار وطن

پھول غربت کے ہیں پھینکوں روند ڈالوں پاؤں سے — بیٹھکر دامن میں چن لوں ایک اک خار وطن

غیر ممکن ہے کہ اسکا سر سے سودا دور ہو — زلف لیلی ہے الٰہی یا شب تار وطن

دشت غربت سے مسافر گھر پلٹ آتا ہے جب — دیکھکر جی اٹھتا ہے چرخ ستمگار وطن

دیکھتا ہوں داغ دل میں دل بہلنے کیلئے — یاد آجاتا ہے غربت میں جو گلزار وطن

وحشت غربت میں مرے یارب نہ بیمار وطن
ہو دم آخر میسر اسکو دیدار وطن

تو نے باسط پھر کیا ذکر گلستان وطن — تا کجا نغمہ سرائی اے ہزار [illegible] وطن

اہل غربت کو میسر یہ کہاں آسودگی — مجھسے پوچھو لذت آب وطن نان وطن

بڑھکے آزادی سے ہے مجکو یہ پابندی مری — جی کچھ ایسا لگ گیا ہے مجھ میں زندان وطن

میں ہوں بلبل جان ہی میری گلستان وطن — میرے سب احباب ہیں روح وطن جان وطن

انوکھی لوری

"انوکھی لوری" کے عنوان سے ایک انگریزی نظم کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ میں نے لفظ بہ لفظ تتبع نہیں کیا مگر مفہوم کو پورے طور پر ادا کرنیکی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ مصنف کا نام نامعلوم ہے۔ لکھنے والے نے غالباً اسے مصلحتاً پردۂ خفا میں رکھا۔ یہ سنہ ۱۷۲۰ء کی تصنیف ہے جسکو آج دو سو برس کے بعد مجھ جیسے نا اہل نے اُردو کا جامہ پہنایا ہے Lady Anne Bothwell's Lamentation کی سرخی سے لکھی گئی ہے واقعہ یہ ہے کہ خاتون مذکور اپنے چاہنے والے کے جذبات دلی سے متاثر ہو کر کچھ ایسی جوش جوانی و محبت میں اندھی ہو گئی کہ اس و مبارز کے خواہشات نفسانی کا شکار بن گئی۔ اور اس ناجائز تعلق کا نتیجہ قبل شادی ایک بچہ کی صورت میں ظاہر ہوا اس موقعہ پر اس دعویدار محبت نے بیوفائی کی ماں بچہ کو چھوڑ کر میدان جنگ کو چل دیا نظم میں اس ستم رسیدہ عصمت باختہ عورت کے جذبات کا اظہار ہے اسوقت کے خیالات کا آج کے خیالات سے موازنہ کیجیے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانے میں ایسے تعلق کو خود ایک مغربی عورت ناجائز خیال کرتی تھی اور ایسی اولاد کو کلنک کا ٹیکا۔ مگر آج مغرب کے بیشتر پرستاران آزادی شادی کو ایک ڈھکوسلا اور اس قسم کی پابندی کو آفت جان سمجھتے ہیں۔ یہ کیا معنی کہ آزادی

کا دور دورہ ہوتے ہوئے ایک آدمی ایک عورت کا اور ایک عورت ایک آدمی کی پابند ہو جائے۔ ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناظرین اس منظوم ترجمہ کو ملاحظہ فرمائیں وہو ھذا۔

سو جا میرے پیارے سو جا — سو جا راج دلارے سو جا
تیرا سونا میری راحت — تیرا سونا میری مصیبت
میرے مایہ عیش و عشرت — باپ کی پیدا کی ہوئی آفت

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا

دم بھر سو رہ اگر میرے پیارے — جب تو جاگے ہنستا اُٹھے
لیکن ایسے ڈھنگ نہ آئیں — حُسن کی دیویاں دھوکا کھائیں
اسکی شکل ہے صورت تیری — جس نے حرمت لے لی میری

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا

میٹھی میٹھی باتیں کر کے — میرا دل جب چھینا مجھ سے
میری سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا — میں نے اچھا دھوکا کھایا
لیکن ایسا ظالم نکلا — میری تیری کچھ نہیں پروا

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا میرے راج دلارے سو جا

اے ظالم بدمست جوانی — جھوٹے عاشق دشمن جانی

بھولی بھالی رشک پری کو دہوکا دینا اب نہ کسی کو
بیشک وہ بھی ظلم سہے گی میری طرح ناکام رہے گی

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا

تو نے ایسی چاہ دکھائی تیرے ہاتھوں لاج گنوائی
مجکو سمجھائے عشق کے آئین عہد وفا پر قسمیں کھائیں
لیکن وہ اقرار کہاں اب چاہ کہاں وہ پیار کہاں اب

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا

حسرت ہے پھر کنواری ہوتی مردوں سے بیزاری ہوتی
روشن ہو گیا اب یہ مجھ پر سب ہیں جھوٹے سب ہیں ستمگر
حُسن نے کھویا قول ہے سچا شاہد میری گود کا بچہ

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا

اس سے بڑھ کر ظلم ہے سہنا دایہ بنکر ہے کہیں رہنا
کیونکر اپنا لال جیئے گا غیر کا بچہ دودھ پیئے گا
سو جا میرے پیارے واری دکھیا رہتی ہے ماں بچاری

سو جا میرے پیارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا

مجکو نہ رُو اے میری جانی — تیری ذلت کی میں بانی
میرے کئے کی سب یہ سزا ہے — بیشک میرے دل کی خطا ہے
عقل جو رکھے کیوں نہ یہ سمجھے — باتیں بنانے والے جھوٹے

سوجا میرے پیارے سوجا
سوجا راج دلارے سوجا

باپ کی خاطر کوئی بلا ہے — چھوڑ کے تجکو بھاگ گیا ہے
دھیان نہ آیا عہد کا اصلا — چھوڑ کے ہمکو جنگ میں پہنچا
آہ ہماری رنگ دکھائے — اپنے کئے کا پھل وہ پائے

سوجا میرے پیارے سوجا
سوجا راج دلارے سوجا

کوس نہ یوں تو یاد آتا ہو — شاید اب وہ پچھتاتا ہو
ممکن ہے رنجور رہا ہو — زخموں سے وہ چور ہوا ہو
حکم خدا سے خوف ہو گھیرے — اُس پیارے دیوانہ کو میرے

سوجا میرے پیارے سوجا
سوجا راج دلارے سوجا

پہلو میں میں اس کے ہوتی — اشکوں سے ہر زخم کو دھوتی
منہ سے میرا نام نکلتا — الفت کا انجام نکلتا
گو میں غم کی یاد سے مرتی — بھول نہ جاتی عفو تو کرتی

سو جا میرے پیارے سو جا

سو جا راج دلارے سو جا

کپڑا کفن کا گر کم ہوتا — دل کا نرالا عالم ہوتا

جو مرے تن کی چادر ہوتی — اس کے کفن کی چادر ہوتی

کیا بکتی ہوں زندہ ہو تو — جان سے پیارا اچھا ہو وہ

سو جا میرے پیارے سو جا

سو جا راج دلارے سو جا

روتی ہوں میں تیری خاطر — روئیگا پھر تو میری خاطر

رنج پڑیگا تجھ پر بھاری — صبر تجھے ہو میں تیرے واری

میری بدولت رنج سہے گا — بد قسمت بدنام رہے گا

سو جا میرے پیارے سو جا

سو جا راج دلارے سو جا





نینی تال

(مئی ۱۹۲۲ء میں نینی تال جانا ہوا - ذیل کی نظم اسی سے متعلق ہے)

گرمیوں کی فصل گزری لطف سے اس سال کی
بھول سکتی ہے کہیں وہ سیر نینی تال کی

دل دھڑک اٹھتا تھا منزل دیکھ کر پشتہ بلند
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا ہمت کا سمند

لطف نظارہ تھا حاصل اک نئے گلشن میں تھے
پھول تھے دامن میں لیکن کوہ کے دامن میں تھے

کم نہیں فردوس سے اس جائے دلکش کی ہوا
فرح افزا روح پرور راحت افزا جانفزا

برملا ہمکو کبھی حاصل جو لطف دید تھا
دامن ابر بہاری میں کبھی خورشید تھا

ابر میں پنہاں کبھی پھر منظر آشکار
ایک دن میں سو طرح کی دیکھتے تھے ہم بہار

رات کو جب دیکھ پڑتا تھا اجالا دور کا
یاد آجاتا تھا وہ عالم چراغ طور کا

نقش دل پر ہو گیا خاکہ در و دیوار کا
کھنچ گیا آنکھوں میں نقشا کوچہ و بازار کا

کیا بیاں ہو کوہ پر وہ خوشنمائی جھیل کی
آئینہ حیران ہو جو دیکھے صفائی جھیل کی

لطف سے جلوہ فگن ہے شب کو زیر آسماں
دن کو بھی جھیلی نظر آتی ہے مثل کہکشاں

جھیل پر خورشید تاباں کی وہ جلوہ ریزیاں
اور مرے جذبات پنہاں کی وہ طوفاں خیزیاں

کیا کہوں عکس نجوم و ماہتاب آسماں
ہے یہاں کی سرزمیں گویا جواب آسماں

کشتیوں میں بیٹھ کر وہ سیر کرنا شام کو
گدگداتا تھا کوئی جیسے دلِ ناکام کو

اے خوشا قسمت بر آئی قلب کی امید بھی
دامن کہسار میں دیکھا ہلال عید بھی

یاد ہیں اب تک وہ مجمع ہم کو صبح عید کے
سینکڑوں تھے پڑھنے والے کلمہ توحید کے

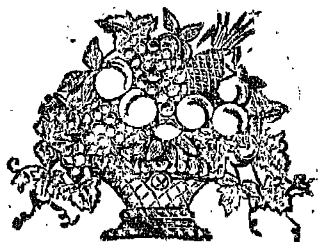
آنکھ میں آنسو بھرے تھے دل میں تھا سوز و گداز
کھیل کے میدان میں سب نے پڑھی مل کر نماز

تیری رحمت کے تصدق تیری بخشش کے نثار
گلشن کہسار کی جی کھول کر لوٹی بہار

سیر جب دل ہو گیا اس روح پرور سیر سے
گھر پلٹ آئے بفضل ایزدی ہم خیر سے

دل سے کرتے ہیں دعا پھر ہم کو جانا ہو نصیب
لطف بے پایاں کا پھر ہم کو زمانہ ہو نصیب

پھر اسی صورت سے یا رب جستجوئے یار ہو
باسط آوارہ ہو اور دامن کہسار ہو



دل

کیا کہوں کس لئے فریاد و فغاں کرتا ہوں   آج کیوں تذکرہ سوزِ نہاں کرتا ہوں
حالِ پوشیدہ جو ہے اُس کو عیاں کرتا ہوں   سب جگر تھام لیں میں "دل" کا بیاں کرتا ہوں

اہلِ دل سُن کے تڑپ جائیں وہ تاثیر بھی ہے
نظم بھی ہے دلِ پُر درد کی تصویر بھی ہے

پارہ گوشت ہے، پہلو میں جگہ تیری ہے   شکل و صورت کا یہ انداز کہ مخروطی ہے
ظرف کا حال کہوں کیا کہ بہت عالی ہے   ٹوٹنے پر بھی دل آویز صدا آتی ہے

باعثِ زیست ہی کمبخت دھڑکنا تیرا
مرغِ بسمل کا پھڑکنا ہے پھڑکنا تیرا

کبھی پیمانہ ہے اے دل کبھی ساغر تو ہے   تو کبھی موم ہے اے دل کبھی پتھر تو ہے
نورِ عرفاں کی تجلی کا مگر در تو ہے   تن بدن پھونک جو دیتا ہے وہی گھر تو ہے

سب سمجھتے ہیں حرم بھی تجھے بتخانہ بھی
کبھی آباد بھی تو ہے کبھی ویرانہ بھی

کیا کہے کوئی کہ سب کہتے ہیں کیا کیا تجکو   کوئی کہتا ہے کلی اور کوئی غنچہ تجکو
دیکھنے والے سمجھتے ہیں تماشا تجکو   داغِ الفت نے بنایا ہے جو لالہ تجکو

لوگ کہتے ہیں یہ کیا خوب بہار آئی ہے
جس کو دیکھو تری حسرت کا تماشائی ہے

کیا کہوں اے دلِ ناشاد جو ہے کیا تو ہے   شیشہ کہتے ہیں تجھے آئینہ سیماں تجھے

پرتو حسن سے اک نور کا دریا تو ہے   سامنے آنکھ بھر ہے وہ تماشا تو ہے

تجھ سے ظاہر ہوئی ہر اک کی رعنائی بھی

تو ہی کمبخت بنا باعث زیبائی بھی

تو جو صد چاک ہوا شانے کی صورت پائی   زلف جاناں ہوئی سو جاں سے تری شیدائی

سر چڑھایا تجھے اس بت نے بصد رعنائی   تیرے ہوتے ہوئے اغیار نے منہ کی کھائی

تو نے اپنے کو مٹایا تو بڑا نام ہوا

ابتدا کیا تھی مگر دیکھ یہ انجام ہوا

مجھ کو تسلیم ہے اے دل تری غمخواری بھی   اور ہنگام مصیبت کی وفاداری بھی

اپنے بیگانے کی وہ بے وجہ وہ بیزاری بھی   ہے الفت سے مگر تیری وہ ہشیاری بھی

راز داں ہو کے مرے راز کو افشا نہ کیا

تو نے سب کچھ کیا اے دل مرے کیا کیا نہ کیا

صاف ظاہر ہے یہ کوئی تجھے آزار بھی ہے   کہتے ہیں سب مرض عشق کا بیمار بھی ہے

کام کا بھی ہے مگر ساتھ ہی بیکار بھی ہے   تو قوی بھی ہے بہت اور بہت زار بھی ہے

کتنے غم تجھ میں ہیں میں کیا کہوں وسعت تیری

پھر بھی مایوس نہیں واہ رے ہمت تیری

لوگ ناداں جسے کہتے ہیں وہ عاقل تو ہے   جس سے آساں ہو مشکل وہی مشکل تو ہے

جس نے بسمل کیا قاتل کو وہ بسمل تو ہے   زندگی کا سبب کون؟ ارے دل تو ہے

سوز تھا پہلے سراپا مگر اب ساز ہے تو

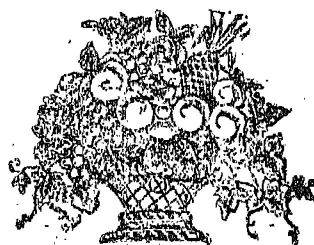
اس کو کچھ میں ہی سمجھتا ہوں عجب راز ہے تو

میرے دل کیا کہوں برج مہ عرفاں تو ہے　　خانۂ دیں ہے تو ہی خانۂ ایماں تو ہے

گھر ہے اللہ کا منزل گہ یزداں تو ہے　　جس نے حیرت میں پھنسایا ہے وہ ساماں تو ہے

تو طپاں بھی ہے مگر جلوہ گہ نور بھی ہے

برقؔ بھی اے دل با نشاط ہو تو ہی طور بھی ہے



قلم

اے قلم کیا کہوں میں سحر بیانی تیری
حال دل اپنا سناتا ہوں زبانی تیری

تو کھلاتا ہے نئے گل جو رواں ہوتا ہے
رنگ یہ شاخِ گلِ تر میں کہاں ہوتا ہے

تیری آواز ہے کانوں کو صریرِ دلکش
سو ترانوں سے ہے بہتر یہ نفیرِ دلکش

اک جہاں پر ہے تسلط ترا قبضہ تیرا
ہر زمانے میں چلا کرتا ہے سکہ تیرا

ذوق ہے جنکو سمجھتے ہیں وہ توقیر تیری
چٹکیاں دل میں لیا کرتی ہے تحریر تیری

بڑھ کے اعجاز سے ہے سحر نگاری تیری
نقش دلکش ہیں ترے شکل ہے پیاری تیری

کبھی دو لفظوں میں روتوں کو ہنسا دیتا ہے
ہنسنے والوں کو کبھی تو ہی رلا دیتا ہے

ہمنے بچتے نہ سنا ایک بھی مارا تیرا
جو ہے تلوار وہ ہے مانتی لوہا تیرا

تیری رفتار سے دل وقفِ الم ہوتے ہیں
تیری جنبش سے سر اکثر کے قلم ہوتے ہیں

بھیجتا ہے کبھی پیغام محبت تو ہی
دلِ مغموم کو ہے باعثِ بہجت تو ہی

دشمنِ جانِ حزیں عیسیِٔ دوراں تو ہے
سمِ قاتل ہے کبھی چشمۂ حیواں تو ہے

کوئی کس طرح کہے آج سے نکلا تو ہے
سب کو تسلیم یہ ہے روزِ ازل سے تو ہے

ختم تا حشر نہیں ہوگا کبھی کام تیرا
صفحۂ دہر سے مٹنے کا نہیں نام تیرا

جتنی دنیا میں کتابیں ہیں رقم کیں تو نے
جلوہ افروز نظر پارے قلم کیں تو نے

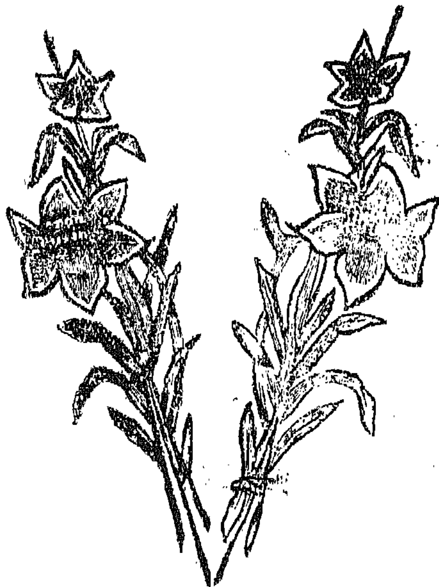
تیری جنبش کا نتیجہ ہیں یہ دفتر لاکھوں
نقش خوش رنگ کے ممنون ہیں پیکر لاکھوں

تیرا لکھا ہوا سر خطِ قسمت یہ بھی ہے
کیا کہوں لوحِ جبیں پر تری تحریر بھی ہے

دو جہاں میں ہے لقب خامۂ قدرت تیرا	اللہ اللہ یہ ہے پایۂ رفعت تیرا
تیری ممنون مری سینکڑوں تحریریں ہیں	تیری کھینچی ہوئی خوش رنگ تصویریں ہیں

اے قلم رشتۂ الفت نہ کبھی ٹوٹے نہ کبھی

ہاتھ سے باسط رنجور کے چھوٹے نہ کبھی



بچّہ

لختِ دل۔ لختِ جگر۔ آنکھ کا تارا تو ہے　　　ماہ رو۔ نورِ نظر۔ راج دُلارا تو ہے
راحتِ جانِ حزیں۔ جان سے پیارا تو ہے　　　صاف ظاہر ہے کہ محبوبِ دل آرا تو ہے

باپ کے واسطے دلکش ہیں ادائیں تیری
ماں تو ماں غیر بھی لیتے ہیں بلائیں تیری

گھر کی زینت ہے۔ تو ہی رونق کاشانہ ہے　　　گوشہ گوشہ ترے جلوے سے جلوخانہ ہے
ماں ہے شیدائی تری۔ باپ بھی دیوانہ ہے　　　تو ہے وہ شمع کہ گھر بھر ترا پروانہ ہے

روح پرور جو ہے معصوم تبسم تیرا
باعثِ وجد ہے۔ اندازِ تکلم تیرا

ماں تری جانتی ہے چاند کا ٹکڑا تجکو　　　رشکِ گل۔ مہر لقا آئینہ سیما تجکو
منتیں ماں نے اللہ سے پایا تجکو　　　ایک عالم سے سمجھتی ہے وہ اچھا تجکو

کیوں کہے کوئی کہ گورا نہیں۔ کالا تو ہے
وہ تو کہتی ہے تجھے گھر کا اُجالا تو ہے

اسکی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے صورت تیری　　　کعبۂ دل میں بھی موجود ہے مورت تیری
وہ سمجھتی ہے بہرحال ضرورت تیری　　　سبہ گھڑی۔ پوچھتی پھرتی ہے ہے طبیعت تیری

لطف دیجاتی ہیں جو تیری ادھوری باتیں
وہ مزا دیتی نہیں اور کی پوری باتیں

دل سے کرتی ہے دعا تو کبھی بیمار نہ ہو — کوئی آسیب نہو۔ دکھ نہو۔ آزار نہو

گو کسی چیز کا تو منہ سے طلبگار نہ ہو — تیری چتون کو سمجھتی ہے کہ بیزار نہ ہو

ہر گھڑی دیکھتی رہتی ہے وہ صورت تیری

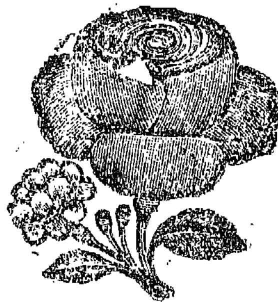
بے کہے تیرے سمجھتی ہے ضرورت تیری

تیری خدمت کے سوا اور کوئی کام نہیں — صبح کی فکر نہیں اس کو غم شام نہیں

تو نہ آرام سے ہو تو اسے آرام نہیں — اور یہ لطف شکایت کا کہیں نام نہیں

ذکر لب پر ہے ترا۔ دل میں ہے داغ الفت

تا قیامت نہیں بجھنے کا چراغ الفت



نقشِ قدم

حال آج سبھی ہوگا خوبی سے رقم تیرا — کاغذ پہ ابھی خاکہ کھینچے گا قلم تیرا
گم کردۂ منزل پر ہوتا ہے کرم تیرا — غربت میں غنیمت ہے سیاح کو دم تیرا

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا
اے نقشِ قدم تیرا

درماندہ و خستہ تھا محروم تھا منزل سے — اٹھتا تھا قدم میرا اب راہ میں مشکل سے
فریاد نکلتی تھی رہ رہ کے مرے دل سے — دریا کی تمنا تھی ہیں دور تھا ساحل سے

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا
اے نقشِ قدم تیرا

تو خضرِ طریقت ہے تو رہبرِ کامل ہے — ہمدرد ہے مونس ہے ہر حال میں شامل ہے
تو غیرتِ لیلیٰ ہے تو غیرتِ محمل ہے — یوں خاک بسر تو ہے گویا کہ مرادل ہے

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا
اے نقشِ قدم تیرا

اللہ نے بخشا ہے کیا جاہ و حشم تجھکو — آفاق سمجھتا ہے گلزارِ ارم تجھکو
زیبا ہے کہے کوئی گر ابرِ کرم تجھکو — اے نقشِ قدم تجھکو اے نقشِ قدم تجھکو

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا
اے نقشِ قدم تیرا

دامانِ زمیں پر ہے طرفہ تیری گلکاری — دلکش تیری صورت ہے اور وضع تری پیاری
تو عجز سراپا ہے تو مایۂ دلداری — آساں ترے دم سے ہے راہ کی دشواری

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا

اے نقشِ قدم تیرا

کب شاہدِ مقصد کا حاصل ہوا نظارہ — پھرتا رہا مدت تک میں راہ میں آوارہ
آگے کو قدم اٹھتا۔ باقی نہ تھا اب یارا — ایسے میں خدا رکھے۔ تو دور سے للکارا

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا

اے نقشِ قدم تیرا

تو خاک کے دامن گو خاک بداماں ہے — لیکن دلِ محزوں کی تفریح کا ساماں ہے
فرہاد کا دامن ہے مجنوں کا گریباں ہے — تو چشمِ تحیر ہے آئینہ حیراں ہے

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا

اے نقشِ قدم تیرا

تو فرق نہیں کرتا کچھ شیخ و برہمن میں — کعبہ میں تجھے دیکھا دیرِ بت پرفن میں
ہر جا ہے ترا جلوہ ویرانے میں گلشن میں — تو وادیٔ ایمن میں تو طور کے دامن میں

ممنون ہوں میں دل سے اے نقشِ قدم تیرا

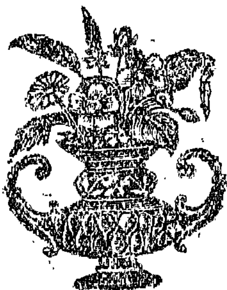
اے نقشِ قدم تیرا

ارمانوں کی ہوتی ہے تجدید ترے دم سے — قائم ہے زمانے میں تقلید ترے دم سے
مایوس کو رہتی ہے امید ترے دم سے — میرے دلِ محزوں کو ہے عید ترے دم سے

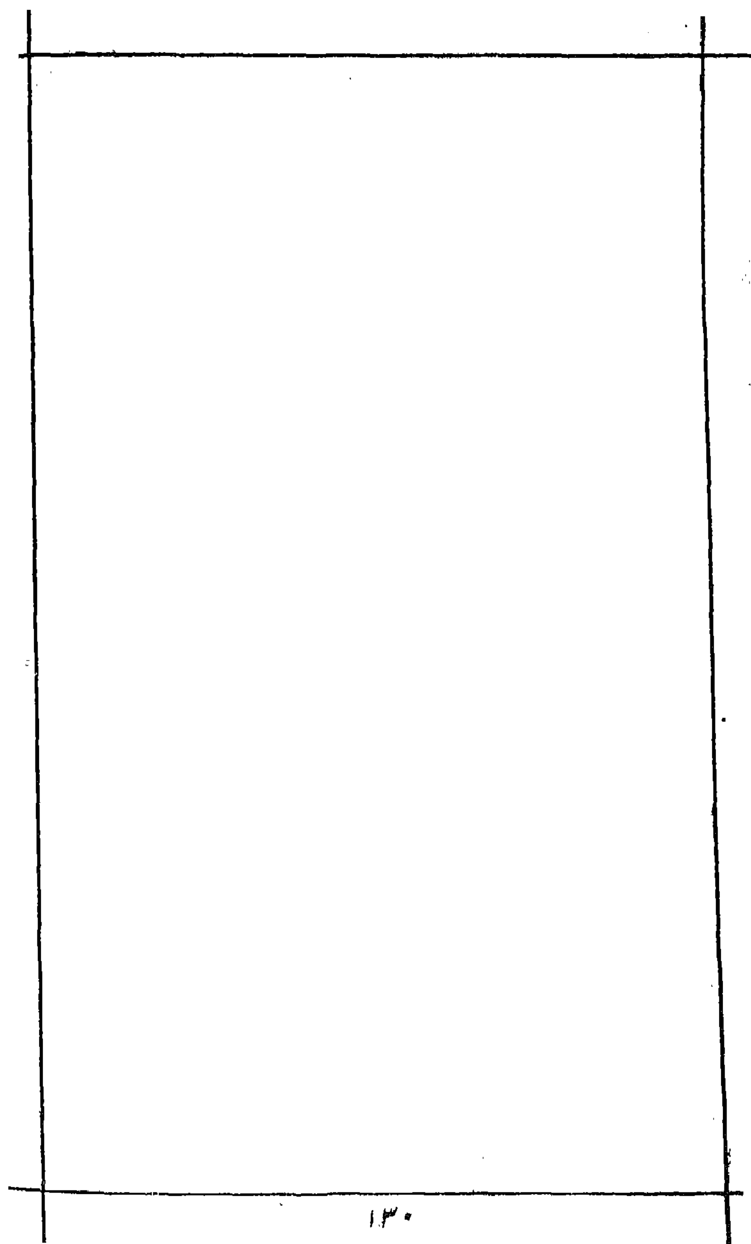
ممنون ہوں میں دل سے اے نقش قدم تیرا
اے نقش قدم تیرا

کس سوز سے چھیڑا ہے یہ سازِ فنا تو نے   یا سطح کو سنائی ہے آوازِ فنا تو نے
مٹ مٹ کے دکھائے ہیں انداز فنا تو نے   کس حسن سے سمجھائے سب راز فنا تو نے

ممنون ہوں میں دل سے اے نقش قدم تیرا
اے نقش قدم تیرا



حسن و عشق



حسن و عشق

بتِ سفّاک

کیا کہوں لطفِ تصورِ ہم نشیں | سامنے بیٹھا ہے اک ناز آفریں
دلستاں، دلدار، دلبر، دلربا | ماہ پیکر، ماہ طلعت، مہ جبیں
آفتِ جاں، دشمنِ ایماں لقب | ناز پرور، نازنیں، ناز آفریں
سنگدل، ظالم، ستمگر، تند خو | فتنۂ محشر، جفا جو، نکتہ چیں
سرو قامت، شمع رو، نازک بدن | محفل آرائے حسینانِ زمیں
ایک رشکِ حور ہے جلوہ فگن | گھر ہے اپنا رشکِ فردوسِ بریں
دلفریب اس کا ہر اک انداز ہے | ہر ادائے ناز اس کی دلنشیں
کیوں نہ ہو حیران مثلِ آئینہ | چشمِ زار دیکھ کر ایسا حسیں
مار ڈالا پھر ہجومِ شوق نے | جا بٹھایا کھینچ کر اس کے قریں
میری نظریں کچھ اٹھ گئیں اس کی طرف | ان کی نظریں جھک گئیں سوئے زمیں
کیا کھلانا ناگنوں کا سہل ہے | کس طرح چھوتا میں زلفِ عنبریں
ہٹ گیا میں دل لرز کر رہ گیا | دیکھ کر ابرو کا بل، چینِ جبیں
ہو رہی تھیں شوخیاں اس پہ نثار | کیا ستم ڈھاتی تھی چشمِ شرمگیں

مصحفِ رخسار چھونا جرم تھا — دور ہی بیٹھا رہا زار و حزیں
دیکھ کر اس کے لبِ جاں بخش کو — نیم جاں حسرت سے تھا ایں بائیں

ہاں کہاں تک ضبطِ گریہ الاماں — ہاں کہاں تک ضبطِ آہِ آتشیں
ہاتھ سے جاتا رہا صبر و شکیب — اس طرح تڑپا دلِ اندوہگیں
کس نے پوچھا کچھ وفا کا ہی خیال — کس نے چپکے سے کہا "ہنس کر نہیں"
کس نے باسطہ مرغِ بسمل کر دیا؟ — کس نے دیدی عشق میں جانِ حزیں

کس نے پوچھا ہنس کے "کیا تم مر گئے؟"
کس نے مرتے دم کہا "صد آفریں"



تاثیر الفت

نشاں ملتا نہیں مغرب میں اب مہرِ درخشاں کا — نظر آتا نہیں جلوہ جمالِ نور ساماں کا
تھکا ماندہ مسافر منزلِ مقصود پر پہنچا — نہ ٹھہرا راہ میں دم بھر بھی اپنی دھن کا پکا تھا
کہاں غائب ہوا وہ جلوہ افروزِ جہاں ہو کر — ستم ڈھایا ہے اپنے اہلِ ہستی پر نہاں ہو کر
کہاں اب ہے زرہ روشن کا پتہ نورِ درخشاں کا — تسلط ہو گیا سارے جہاں پر شامِ ہجراں کا
ستاروں کی چمک سے ہے فقط چرخِ بریں روشن — چراغوں سے ہوئی ہے جا بجا بزمِ زمیں روشن
ہوا بازارِ عالم سرد سونی بزمِ ہستی ہے — جہاں سیلابِ ہستی تھا وہاں حسرت برستی ہے

بلا سے سامنا ہے اک گھڑی بیمارِ الفت کا — نتیجہ دیکھیے ہوتا ہے کیا آزارِ الفت کا
کبھی ہے دردِ دل پیدا کبھی دردِ جگر پیدا — کیا ان ظالموں نے سینۂ بسمل میں گھر پیدا
وفورِ درد سے گھبرا کے آخر آہ کر اٹھا — اٹھایا لاکھ بالیں سے نہ اٹھنا تھا نہ سر اٹھا
کہاں کھلتی ہیں آنکھیں خوں فشانی اشکباری سے — کہ بہلائے دلِ رنجور کو اختر شماری سے
کبھی خونِ تمنا حسرتِ مردہ کا ماتم ہے — کبھی وہ صورتِ تصویر اور چپ کا عالم ہے
کبھی دل تھام کر ہاتھوں سے سرگرمِ فغاں ہونا — کبھی آثار پھر دردِ نہانی کے عیاں ہونا

مسیحائی یہ کی امید نے بیمارِ الفت سے — تنِ مردہ میں پھونکی روح اک بجلی کی قوت سے
امیدِ وصل نے ایسی طبیعت اس کی گرمائی — کہ سیرِ کوچۂ جاناں کے حیلے سے لگا لائی

ستم ایجاد کے آگے کوئی ناشاد جا پہنچا
اسی انداز سے وہ خانماں برباد جا پہنچا
وہاں بیٹھا تو لب پر یوں لگا کر مہر خاموشی
کہ صورت سے عیاں ہوتی تھی اسکی خود فراموشی
فسردہ خاطری چہرے سے اس کے صاف ظاہر تھی
کہاں اس ذکر سے اسکی زبان حال قاصر تھی

یہ کیا ہے۔ کیا کیا نالوں نے میرے کچھ اثر پیدا
یہ کیا ہے۔ کیا کیا الفت نے اسکے دل میں گھر پیدا
یہ کیا ہے کیا کہا اس بت نے مجھ سے مہرباں ہو کر
یہ کیا ہے۔ کون باتیں کر رہا ہے بے دہاں ہو کر
یہ کیا ہے کس نے پوچھا مجھ سے تم تصویر غم کیوں ہو
خموشی یعنی وارد، سراپائے الم کیوں ہو؟

وہ پوچھے ہم سے ہم تقدیر سے خاموش رہ جائیں
یہی موقع ہے با اسطرح ہمیں کہنا ہو کہہ جائیں
بتا دیں تجھ سے ظالم حال ہم آشفتہ حالی کا
نتیجہ ہے ستمگر سب یہ تیری پائمالی کا
ستا رکھا ہے قاتل تو نے مجھکو اس ناز سے
ملا دے خاک میں مٹی تو لگ جائے ٹھکانے سے
قیامت ہے کہ تجھ پر میں تو ہوں سو جاں سے شیدا
قیامت ہے کہ تجھے نفرت ہو میرے نام سے پیدا
غضب ہے اہل فرقت کی کٹے خواب پریشاں میں
بسر ہو شب تری آرائش گیسوئے پیچاں میں
غضب ہے میں پھروں با چشم نم وحشت بیاباں میں
مگر تو جلوہ گر ہو خوشدلی سے بزم خوباں میں
مجھے تو غم کی صحبت ہو سوز و ساز سے مطلب
تجھے ہو فرش گل پر شب کو خواب ناز سے مطلب
غضب ہے میں ہوں سرگرم فغاں تیری جدائی سے
تجھے مطلب ترنم سے ہو اور نغمہ سرائی سے
غضب ہے میں اڑا دوں دھجیاں جیب گریباں کی
تجھے مد نظر زینت ہو اپنے دور داماں کی
قیامت ہے۔ نہ میری چاہ کی کچھ قدردانی کی
قیامت کی۔ تغافل کیں تو نے سرگرانی کی

مری پر درد باتوں سے بہت رویا وہ قاتل بھی
سزاوار ترحم ہو گیا ہے آج بسمل بھی

مرے پہلو میں بیٹھا اور کہا طرفہ شکایت ہے
سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے یہ کیسی حکایت ہے

رہ و رسم مروت ای مرے عاشق میں کیا جانوں
بھلا آئین الفت اے مرے عاشق میں کیا جانوں

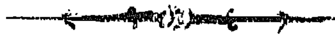
سنانے کو مرے تو نے عجب صورت نکالی ہے
سنا کر داستان غم غضب میں جان ڈالی ہے

مجھے ایسا کبھی موقع نہ پیش آیا میں کیا جانوں
کوئی عرض تمنا یوں نہیں لایا۔ میں کیا جانوں

خدا شاہد تری کلفت سے دل میں درد پیدا ہے
جگر میں سوز پنہاں۔ لب پہ آہ سرد پیدا ہے

مجھے تجھ سے ہی ہمدردی نہ اب اس طرح غم کھانا
جنوں کو چھوڑ دے کیوں ہو گیا ہے ایسا دیوانہ

جدا ہونگے نہ اب یا کر خدا سے عہد و اطمینان ہونگے
مزے آئینگے یا ستار۔ قدرداں اب تیرے ہم ہونگے



توبہ شکنی

دیکھ کر مست مجھے شیخ نے آ کر پوچھا
توبہ کیوں توڑ دی کمبخت کوئی بات نہ تھی

ہنس کے میں نے کہا یوں کہنے کو کچھ آپ کہیں
یہ تو للہ نہ فرمائیں کوئی بات نہ تھی

مے گلرنگ نے بخشا مجھے اظہر کا مزہ
لیلۃ القدر تھی کل اور کوئی رات نہ تھی

ملتفت ساقی مہوش تھا مثال مرشد
رحمت حق کا زمانہ تھا۔ وہ برسات نہ تھی

سن کے یہ حال وہ جھنجلائے تو یا ستار نے کہا
صرف اتنی تھی کسر شیخ تری ذات نہ تھی

تصویر کے کرشمے

تصور بندھ گیا ہے کس رخ روشن کا خیالوں میں
بٹھا رکھا ہے جس نے گردشِ دورِ ثریا ہیں

گھرا ہوں میں ہجوم درد و غم کی مصیبت میں
پھنسایا ہے دل بیتاب نے مجھکو آفت میں

سکھائیں تو نے مجھکو نالہ و فریاد کی باتیں
دلائیں یاد تو نے اس ستم ایجاد کی باتیں

کھنچا جاتا ہے آنکھوں میں جمال یار کا نقشا
کھنچا جاتا ہے نظروں میں صنم کے حسن کا خاکا

لئے لیتا ہے جان ہر ایک انداز اس تصویر کا
کھڑا ہے سامنے وہ دل کا مالک وہ ستم آرا

مزے آتے ہیں کیا کیا مجھکو عشق لاابالی سے
تصور میں ہیں باتیں ایک تصویر خیالی سے

ستمگر آ مرے پہلو میں بیٹھا تیری باتوں میں
سراپا حسن کا پتلا ہے تو تجھ پر میں صدقے ہوں

جو تو شیریں ہے میں فرہاد۔ تو لیلیٰ ہے میں مجنوں
تری ایک ایک ادا پر جان سے دل سے میں مفتوں

چلا خنجر گلے پر تیغ ابرو کے اشارے سے
بنی ہے جان پر اس چشم فتاں کے نظارے سے

تری تعریف کیا ہو جان ہے تو حسن و خوبی کی
ٹپکتی ہے تری ہر اک ادا سے شان محبوبی

نرالی تو ہے عالم میں نرالی ہے تری شوخی
لب جاں بخش دکھلاتا ہے اعجاز مسیحائی

زمانے بھر کی ہیں موجود تجھ میں خوبیاں کیا کیا
دل عشاق ہیں مارے ترے تیر زباں کیا کیا

تصور کی بدولت آج اسکو ہو بہو دیکھا
جب آئے آپ میں کچھ بھی نہ اندر و برو دیکھا

نہ وہ حسن جہاں آرا نہ بادہ نہ سبو دیکھا
فقط ہنگامۂ پروانہ و شمع ایک سو دیکھا

عجب حسرت سے ہم روئے عجب حسرت سے تڑپا دل
سکون قلب لیکن اشکباری سے ہوا حاصل

اٹھا اور ایک چھوٹا سا لفافہ جا کے لے آیا
نکالا ایک کاغذ اور اس کو پیار سے چوما

پھر اس کو اس طرح دیکھا کہ گویا دل کا ٹکڑا تھا
اُدھر اس پر نظر ڈالی ادھر میں ہائے کہہ اٹھا

کوئی جا کر مری کہہ دے بہت بے چین سے باتیں
نہیں تو ہے تو کرتا ہوں تری تصویر سے باتیں

بہت پیاری ہی گو تو اے شبیہ یار فتنہ گر
سنبھل جاتا ہے تجھکو دیکھکر یہ یاس مضطر

نظر آئی مگر تصویر اک تجھ سے کہیں بہتر
کھنچی ہے ایک زمانے سے جو اپنے صفحۂ دل پر

جُدا ہو زندگی میں کس طرح وہ اپنے سینے سے
کہ مرنے پر بھی جا سکتی نہیں اس آبگینے سے



من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

اے سوزِ عشق تو نے کیا کیا جلا کے مارا
ہے سنگِ طور کا تو گویا کوئی شرارا

باغِ جہاں کا منظر دلچسپ کس قدر ہے
ممکن نہیں کہ اس سے بچ کر کریں گزارا

آفت ہی قہر ہے تو اے پیرزالِ دنیا
انسان تو خیر انسان تجھ سے ملک بھی ہارا

حسن و جمال تیرا نظروں کو کیوں نہ بھائے
دلکش ہے دلربا ہے دلسوز ہے دل آرا

جی کھول کر نہ دیکھی تیری بہار انساں
آنکھوں کو بند کر لے کیونکر ہو یہ گوارا

گمراہ کیوں نہ کر دیں یہ مہوشانِ عالم
صورت کسی کی بھولی مکھڑا کسی کا پیارا

روشن انہیں کے دم سے دنیا کی انجمن ہے
خورشید رو ہے کوئی۔ کوئی ہے ماہ پارہ

وہ چشمِ مست و میگوں، جادو اثر نگاہیں
دل چھیننے کو جن کا کافی ہے اک اشارہ

آنکھیں جسے ملی ہیں وہ کس طرح نہ دیکھے
ابرو ہیں انکے ماہِ شوال کا نظارہ

حسنِ بتاں نے آخر وہ راستہ بتایا
اُٹھ کر حرم سے زاہد بھی دیر کو سدھارا

سیماب سے ہے بڑھ کر کچھ دل کی بیقراری
داماں صبر جس سے ہو جائے پارہ پارہ

حسنِ بتاں کے قصے پڑھ کر میں کہہ رہا تھا
کہنے میں دل کے باسط آنا نہ تم خدارا

ہو کر کسی کا عاشق۔ دل مجھ سے کہہ رہا ہے
من خوب می شناسم پیرانِ پارسا را

پروانہ جانباز

مرے جانسوز پروانے ترے آزار کے صدقے مرے جانباز پروانے ترے اطوار کے صدقے
مرے دلگیر پروانے ترے میں پیار کے صدقے مرے ناشاد پروانے ہوا دیدار کے صدقے

ذرا سی جان تیری : دھوم تو نے بزم میں کر دی
زمانے کو دکھاتے تو نے آئین جفا کر دی

سراپا شوق ہو کر بزم خوباں میں تو کیوں آیا پسند آئی تجھے کیا بات آخر کیا تجھے بھایا
غم و اندوہ حرماں کا تو لشکر ساتھ کیوں لایا ترے دل کو یہ کس کی آتش الفت نے گرمایا

تجھے کس شعلہ رو کی تو سر محفل لگا لائی
کہاں سے آرزوئے دید یوں تجھکو اٹھا لائی

کسی کو سوز الفت ہو تو تجھ سا سوز الفت ہو محبت ہو جو پروانے تو تیری سی محبت ہو
طبیعت ہو جو وارفتہ تو تیری سی طبیعت ہو بلائے عشق صادق ہو تو تیری ہی صید آفت ہو

پر پرواز اگر سمجھیں تو تیرے پر کو ہم سمجھیں
سر شوریدہ جو سمجھیں تو تیرے سر کو ہم سمجھیں

چھپائے سے نہیں چھپتیں نگاہیں ناز الفت کی انہیں سے ترجمانی ہوتی ہے راز محبت کی
دکھاتی ہیں جھلک دنیا کو یہ رمز حقیقت کی اشاروں میں بتا دیتی ہیں یہ حالت طبیعت کی

سراپا سوز ہو کر یوں تو اے دیوانے کیوں پہنچا
سوئے شمع جہاں افروز اے پروانے کیوں پہنچا

بتایا تو نے پروانے شہید ناز ہو جانا سکھایا تو نے پروانے ہمیں جانباز ہو جانا
دکھایا تو نے اے پروانے سرافراز ہو جانا سراپا سوز ہو جانا سراپا ساز ہو جانا

فنا فی العشق ہو جانا مرے پروانے تو سمجھا
تقاضائے جنون عشق اے دیوانے تو سمجھا

دبی تھی تیرے سینے میں کچھ ایسی عشق کی گرمی — سراپا سوز تو خود ہو گیا وہ آگ جب بھڑکی
صفیا باری پسند آئی تجھے ایسی شمع روشن کی — کہ جھک کر سامنے محفل کے تو نے جان ہی دیدی

غضب کی آتش الفت تھی تیری دل میں پروانے
کیا ہے نام تو نے عشق کا محفل میں پروانے

جنازہ بلبل شیدا کا کب گلزار سے نکلا — بھلا کب قیس نجدی وادی پر خار سے نکلا
کہاں فرہاد مر کر دامن کہسار سے نکلا — کبھی جانباز پروانہ نہ بزم یار سے نکلا

گرا پائے صنم پر یک بیک بے بال و پر ہو کر
لپٹ کر رہ گیا اے شمع محفل بے خبر ہو کر



نگاہِ ناز

کیا چیز ہے اے شوخ تری نرگسِ بیمار — مرتا ہے دل و جاں سے ہر اک کافر و دیندار
کافر کو نہیں دیر و خرابات کی پروا — زاہد کو نہیں قبلہ و حاجات کی پروا
بیخود سے ہیں مخمور سے ہیں محوِ نظارہ — کھینچے لیے آتا ہے ان آنکھوں کا اشارہ
آنکھوں میں تری یار کہ جام مئے گلگوں — چلتا ہوا جادو ہیں کوئی سحر کہ افسوں

کس چیز کو دوں چشمِ سیہ فام سے تشبیہ
گردش کی جو ہو گردشِ ایام سے تشبیہ

ہاں کم ہے حیا تاکتی ہیں ان آنکھوں کو سر راہیں — ڈھاتی ہیں مگر طرفہ غضب انکی نگاہیں
یہ شہرۂ آفاق ہیں جادو اثری میں — کرتی ہیں قیامت یہ عجب بے خبری میں
معلوم ہیں مجھکو تری دلدوز نگاہیں — آنکھوں میں پھرا کرتی ہیں جانسوز نگاہیں
کیا بات ہے اے یار ترے تیرِ نظر میں — اک ساتھ اتر جاتا ہے دل اور جگر میں
ہے کام نظر کو تری ناوک فگنی سے — در آتی ہیں کب کم ہے یہ برچھی کی انی سے
عاشق کو جلا دیتی ہے اقرار سے اپنے — یا جان ہی لے لیتی ہے انکار سے اپنے

ان نظروں نے اچھے کیے بیمار ہزار دل
بسمل کیے صد پارہ جگر انکا ہزار دل

اے شوخ وہ دزدیدہ نظر پھر ہو بصد ناز — باسط کی تمنا ہے دکھا پھر وہی انداز
ہر بات سے سرشاریِ پر کیف عیاں ہو — یہ شعر بصد جوش مرے وردِ زباں ہو

دزدیدہ فگنی ہا من از ناز نگاہے
قربانِ نگاہِ تو شوم باز نگاہے

خواب ناز کے بعد

قیامت ہی وہ میٹھی نیند سے ہشیار ہوتا ہے   غضب ہی فتنۂ خوابیدہ پھر بیدار ہوتا ہی
دل بسمل ہدف بننے کو پھر تیار ہوتا ہے   نگاہ شوخ یہ کہتی ہی۔ بچنا۔ وار ہوتا ہے

مزہ پہلی نظر کا عاشق بیمار سے پوچھو
ادا ان مست آنکھوں کی کسی میخوار سے پوچھو

سکون کفارات پھر لب پھیر دیتی ہی ناوک ناری   ہدف ہوا ہی دل مضطر یہی ہی وقت جانبازی
بلا کی چشم فتاں کر رہی ہے فتنہ پردازی   نہ پوچھو کچھ قیامت ہی ان آنکھوں کی فسوں سازی

غضب ہی اُن نگاہوں سے کسی کا سامنا ہونا
جنھیں یہ سکھاتے ہیں کہ ہاں تیر قضا ہونا

ستانے کا نہ چھوڑا ہائے اس صحبت کو کوئی پہلو   جگایا مل کے آنکھیں نرگس بیمار کا جادو
سمٹ کر پھر بڑھا انگڑائیوں سے وہ قد دلجو   قیامت کیطرح کس ناز سے اٹھا بت خوشخو

ابھی سامنے میرے کھڑا وہ شر قیامت ہے
مری آنکھوں کے آگے یا کوئی برپا قیامت ہی

خمار آنکھوں میں کاکل دوش پر برہم زمانے سے   طبیعت اپنی بہلاتا رہا آئینہ خانے سے
سنوارے بال اپنے بیٹھ کر ظالم نے شانے سے   دل عشاق زلفوں سے نکالے اس بہانے سے

اسیر زلف ہوتے ہیں کہیں آزاد کیا کہنا
ترے اس بھولے پن کا اے ستم ایجاد کیا کہنا

عجب عالم ہے آئینے میں اس زلف پریشاں کا   قیامت ہے کہ اک تختہ کھلا ہے سنبلستاں کا

بہت ممنوں ہوں اس شوخ کی ہی چشم فتاں کا — کہ جس نے حال دیکھا غور سے چاہ زنخداں کا

یہاں بھی سینکڑوں ہی عاشقوں کے اس نے دل دیکھے

ہزاروں خانماں برباد۔ اس ہا پا بہ گل دیکھے

شفق ہے آئینے میں یا رخ گلنار کا پرتو — قیامت ڈھا رہا ہے زلف عنبر بار کا پرتو

ہلال عید ہے یا ابروئے خمدار کا پرتو — خدا کی شان ہے اس صحف رخسار کا پرتو

نظارہ کر رہا ہے اپنے وہ روئے کتابی کا

عمل ہے یہ بھی اک عشاق کی خانہ خرابی کا

رہا آئینہ خانہ میں وہ پہروں محو آرائش — ہوئی زلف رسا کو دل پھنسا لینے کی خواہش

قیامت کا نمونہ بن گئی جب شان زیبائش — اٹھا وہ خندہ زن آئینہ خانہ سے بہ آسائش

الٰہی خیر اس کافر کے دل میں کیا سمایا ہے

ہزاروں خون کرنے کا یہ بیڑا کیوں اٹھایا ہے



"ہولی"

ہولی تن من پھونک رہی ہے، دو رکھی گردہا رہی ہے — دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہے اور زخم جگر بھی کاری ہے

ہائے اکیلی کھیل رہی ہوں ساری ڈوبی سا رہی ہے — خون تمنا رنگ بنا ہے آنکھوں کی پچکاری ہے



دلِ افسردہ

ہاں اے دلِ افسردہ ترے سوز کے صدقے — اس خامشی و ضبطِ غمِ اندوز کے صدقے

کیا بات ہے کیوں پہلی سی باتیں نہیں باقی — الفت کی محبت کی وہ گھاتیں نہیں باقی

کچھ ایسا تو افسردہ ہے کچھ ایسا حزیں ہے — شک ہوتا ہے پہلو میں مرے ہے کہ نہیں ہے

خندہ تھا شگفتہ تھا کبھی گل کی طرح تو — رہ رہ کے چہکتا بھی تھا بلبل کی طرح تو

چلتے ہوئے فقروں کا ترے رنگِ ظرافت — زاہد سے نہ شوخی ہے نہ واعظ سے شرارت

نفرت ہوئی کچھ ایسی تجھے اہلِ جہاں سے — باقی نہ رہا لطف کوئی بزمِ بتاں سے

لب پر کبھی آتا ہے تو بس ایک ترانہ — بے مہریٔ عالم کا سناتا ہے فسانہ

پھر بھی تو ہر اک حال میں ہمراز ہے میرا — ہمدرد ہے غمخوار ہے دمساز ہے میرا

دنیا کے علائق سے غرض خوب چھڑایا — جلوت سے اٹھا کر مجھے خلوت میں بٹھایا

احباب مبارک ہو تمہیں بزمِ طرب خیز — باشستہ پئے بزم تو شعرِ دل آویز

در محفلِ خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را



دل درد آشنا

ایک عالم ہے یوں ہی رہتا ہے وقفِ اضطراب   تجھ سے پوچھے کوئی روز و شب کا لطفِ پیچ و تاب
گردشِ ایام نے ہے پیدا کیا یہ انقلاب   تجھکو کہتے ہیں دلِ ویراں دلِ خانہ خراب

کاش زخموں سے ترا سے دل اسطرح اب چور ہو
درد ہو لیکن تڑپنے سے بھی تو مجبور ہو

صنعتِ خالق ہے تو ترکیبِ آب و گل ہے تو   میری آسانی کی ہے بنیاد وہ مشکل ہے تو
اس سے کیا خستہ ہو تو زخمی ہو تو بسمل ہو تو   شاعرِ خوشگو کو جس پہ ناز ہے وہ دل ہے تو

کیوں خوشی کے نام سے اسکو نہ ہو شرمندگی
غم کو باعث جانتا ہے مایۂ صد زندگی

اے دلِ درد آشنا حسرت پرست ایذا طلب   صرفِ سوزِ عشقِ جاناں وقفِ صد رنج و تعب
لاکھ تجھ پر چرخ نے توڑے ستم ڈھائے غضب   طرفہ تر ہو صبر تیرا ضبط تیرا ہے عجب

چوٹ پر کیا چوٹ تو نے عشق میں کھائی نہیں
تیرے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے لب تک صدا آئی نہیں

سوزِ سینہ تجکو عرض ہے بیخبر ہے ساز سے   ذوق ہے بال و پری نے کھو دیا پرواز سے
حال کچھ کہتا نہیں تو مجھ سے بھی ہمراز سے   اس قدر کھٹکا ہوا ہے رخنۂ غماز سے

آشنائے درد یوں نا آشنائے دہر ہو
ہائے میں سمجھا کروں اور تجھ پہ ایسا قہر ہو

کون ہے وہ شمعِ خوبی جس کا تو پروانہ ہے   کونسی لیلا ادا ہے جس کا تو دیوانہ ہے

جام الفت پی چکا ہے، بیخود و مستانہ ہے
توبہ توبہ کیا کہوں مشرب ترا رندانہ ہے
ہاتھ میں تجھکو لیا کس ساقی گلفام نے
تجھ پر اپنا سایہ ڈالا ہے جو دورِ جام نے

"نہیں"

اسے "نہیں" تجھکو عجب فتنۂ دوراں دیکھا
کیا ستم ہے تجھے زیبِ لبِ جاناں دیکھا
خونِ حسرت کا تمنا کا بہانے والی
دلِ ناکام کے کچھ کام نہ آنے والی

سننے والے کو ترے سرِ گریباں پایا
تجھکو پیغامِ اجل موت کا ساماں پایا
کبھی ظاہر ہوئی تو تیر و سناں کی صورت
کبھی در پردہ نمایاں ہوئی "ہاں" کی صورت
جنبشِ ابرو سے وہ ظاہر ہوئی شمشیر بنی
غمزۂ چشم کی صورت میں کبھی تیر بنی
ہاتھ اٹھا جو حسینوں کا تجھے جان گئے
جنبشِ سر سے مقرر تجھے پہچان گئے
کون کہتا ہے فقط وردِ زباں ہوتی ہے
لبِ لعلیں کے تبسم میں نہاں ہوتی ہے
جان لی قیس کی، قاتل بنی سفاک بنی
ماہِ کنعان کے تو دامن میں کبھی چاک بنی
کبھی پنہاں ہوئی تو جانِ حزیں کی صورت
کبھی ظاہر ہوئی تو چینِ جبیں کی صورت
خونِ دل کرتی ہے جس رنگ سے تقریر تری
جان لیوا ہے یوں ہی پردۂ تحریر میں تو
آج ہاں آج مگر حسنِ رقم سے نکلی
گل کھلاتی ہوئی باسط کے قلم سے نکلی

نامۂ محبوب

اے خط محبوب شوخ و شنگ ظالم فتنہ گر — جان لیوا ہو گیا تھا تیرا کافر انتظار
روح پرور روح افزا ہے مگر تیرا اثر — ہیں خط گلزار سے بڑھکر ترے نقش و نگار
کیوں نہو تحریر معشوق جہاں آرا ہے تو

کم نہیں تیری سیاہی بھی سواد چشم سے — تو بیاض دلربا گویا سحر کا نور ہے
زخم دل کہتے ہیں بیشک ہیں ستمگر کے زخم سے — یہ ہمارے حق میں بیشک مرہم کافور ہے
کس زباں سے یہ کہے کوئی کہ ناکارہ ہے تو

نامہ بر کے ساتھ تو نے کیوں لگائی اتنی دیر — ہاں تجھے پیارے چلے آنے میں کیا وسواس تھا
کجروی تیری بنی ظالم مری قسمت کا پھیر — ٹھہرو دل ٹھہرو دل کیوں پھر آنا تو میرے پاس تھا
یہ تو خواہش ہی نہیں تیری کہ آوارہ ہے تو

دل تو ظالم کہہ رہا ہے پیار کی تحریر کو — نامۂ محبوب بیشک نامۂ دلبر کہوں
ہاں کہیں بہتر ہے میں اس دلربا تصویر کو — بیرخی حسن جاناں کا اگر دفتر کہوں
جانستاں ہے اس سے کیا لیکن تو نظارہ ہے تو

قاتل سفاک کا تو آخری فرمان ہے — غیر ممکن ہے زمانے میں ترا نعم البدل
باسط ناکام کی تجھ پر تصدق جان ہے — مرحبا شاباش تو لایا تو پیغام اجل
بس اسی خاطر تو مجھکو جان سے پیارا ہے تو

"مزار لیلا"

اے زمیں تو جانتی ہے کس کا ہے تجھ پر مزار　　کس کی مشت خاک نے بخشا ہے تجھکو افتخار
موت نے تجھ سے کیا ہے آج کس کو ہمکنار　　یاد رکھ ہے دفن تجھ میں اک حسیں دلفگار

اے لحد آغوش میں تیرے حزیں لیلا ہو
دیکھنا اس کا کفن بھی حشر تک میلا نہ ہو

گو جسکی مستحق تھی وہ امانت سونپ دی　　خانۂ تاریک کو اک ماہ طلعت سونپ دی
خاک کے پردے کو رعنائی کی دولت سونپ دی　　سونپ دی اے قبر تجھکو تا قیامت سونپ دی

منتظر لیٹی ہے وہ افسوس بانگ صور کی
کھول دے جنت کا در دکھلا دے صورت حور کی

پاک باطن صاف طینت اے سراپا پاکباز　　لطف دنیا سے رہی دنیا میں رہکر بے نیاز
راہ عصیاں سے رہا تیرے قدم کو احتراز　　الفت خالق کا تھا دل میں حقیقی سوز و ساز

پھر بھی دامن پر جو تیرے ہائے کوئی داغ ہو
رحمت خالق سے وہ کھلکر شگفتہ باغ ہو

ہائے اس عہد جوانی میں یہ کیا دل میں ٹھنی　　سوز پنہاں سے مقرر جان پر تیری بنی
تیری وہ آواز درد انگیز وقت جانکنی　　کان سے جو دل میں آئی بنکے برچھی کی انی

مضطرب دل ہے پریشاں خاطر ناشاد ہے
ہائے وہ دم توڑنا تیرا ابھی تک یاد ہے

خاک کے پردے میں پنہاں ہو گیا تجھسا حسیں　　نام سے تیرے تھا روشن حسن و خوبی کا نگیں

بند ہے کنج لحد میں آج چشم سرمگیں   اٹ گئی ہے خاک سے سب تیری زلف عنبریں

یہ اجل کمبخت کیا بیٹھی تھی تیری تاک میں

ہائے تجھ سے سیم پیکر کو ملایا خاک میں

موت سے کرنی نہ تھی اس طرح سرگوشی تجھے   اس طرح زیبا نہ تھی افسوس خاموشی تجھے

ہائے یہ بے وقت کیا لازم تھی روپوشی تجھے   یاد رکھنا تھا مگر عہد وفا کوشی تجھے

اس جہاں کو چھوڑ کر تو اس جہاں میں ہو رہی

کچھ تو کہہ درس محبت کیوں پڑھا کر سو رہی

ناز و انداز عروس دہر فانی اب کہاں   موت سے بدتر ہے لطف زندگانی اب کہاں

بجھ گیا دل ہائے لطف نوجوانی اب کہاں   حسن کی اور عشق کی دلکش کہانی اب کہاں

یاد حق سے اس جگہ کو آج نورانی کروں

بیٹھ کر تیری لحد پر فاتحہ خوانی کروں

انقلاب دہر دیکھ اے باسط شیریں سخن   ہیچ ہے یہ دہر فانی ہیچ ہے رنگ چمن

پیرہن پہنے عروسی کا نہ جو گل پیرہن   مرگ ناہنگام پہنا دے اسے اجلا کفن

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے



عرض مدعا

نئے انداز کی یہ داستاں ہے غور سے سن لو — تمہارے کام کا ہے میرا عرض مدعا کرنا

تمہاری اس جفا میں کچھ عجب سا جان کش لذت ہے — میں تم سے کب یہ کہتا ہوں کہ تم مجھ سے وفا کرنا

مزہ ہے مرنے کے اشتیاق دید رہ جائے — قسم ہے تمکو اپنے حسن کی یوں ہی حیا کرنا

محبت کا جو حق ہے ہم ادا کرتے ہیں رو رو کر — عداوت کا جو حق ہے تم بھی ہنس ہنس کر ادا کرنا

چھپانا اہل دنیا سے نہ میرے خون ناحق کو — خوشی سے مر رہا ہوں قتل مجھکو برملا کرنا

تمہارا کام یہ ہے کام لو ہو کر تغافل سے — ہمارا کام یہ ہے رو کے آہ نارسا کرنا

ذرا سا دیکھ لینا ہنس کے ان ترچھی نگاہوں سے — بہت بے تاب جب اس ہو فقط اتنی دوا کرنا

تمہارا ظلم کیوں ہو غیر پر یہ رشک کی جا ہے — کہیں سے ابتدا کرنا کہیں سے انتہا کرنا

کبھی بیتاب ہو کر میں جو مرنے کی دعا مانگوں — اٹھا کر ہاتھ میرے واسطے تم بھی دعا کرنا

ہمارا مدعا یہ ہے ہماری عرض اتنی ہے — گزرنے جائیں جتنے دن ستم ظالم کچھ سوا کرنا

مزہ دیگی تجھے محفل میں بیگانہ وشی کیا کیا — ہمارا غیر کی جانب نگاہ آشنا کرنا

اٹھا رکھنا نہ کوئی بات اپنے حسن کا صدقہ — جو اب تک نا روا ٹھہرا ہے اس کو تم روا رکھنا

مزہ آتا ہے باسط کو تمہارے ظلم پیہم میں
اسی کمبخت پر اس ابتدا کی انتہا کرنا



فراق

ہر گھڑی وردِ زباں رہتا ہے اب نامِ فراق — ابتدا تو دیکھ لی، دیکھوں گا انجامِ فراق
خوب ہے سایہ فگن زلفِ سیہ فامِ فراق — ہستم اے باسطؔ ہم آغوشِ دلآرامِ فراق
آمد ایں شامِ جوانی صورتِ شامِ فراق

دل ہے بے چین سو طرح سے رنج و غم و درد و الم — زرد چہرہ ہو گیا ہے خشک لب ہیں چشم نم
زندگی کے ہر نفس کو جانتا ہوں مغتنم — از غمِ دوریِ جاناں تنگ با جاں آمدم
من ندانم چوں بسر بردن ز ایامِ فراق

اب کہاں صحنِ چمن، لطفِ بہارِ جاں فزا — اب کہاں پہلو میں وہ محبوبِ مہوش لقا
اب کہاں ہے سامنے وہ ساقیِ نازک ادا — ساغرِ زرّیں کجا، آں بادۂ گلگوں کجا
پُر کنم از خونِ دل، خونِ جگر جامِ فراق

ہے زمانے کو تغیر، منقلب ہے روزگار — تا قیامت لازمی ہے گردشِ لیل و نہار
رنگِ صبح و شام کا ہرگز نہیں کچھ اعتبار — یاد ایامے کہ صیدم بود مرغِ وصلِ یار
حیف اکنوں صید گشتم خود بہ دامِ فراق

ہیں شکایت کے لیے کھولوں تو کیا کیونکر لب — غم کے ہاتھوں نام کو باقی نہیں تاب و تواں
جان ہی لے لیگا میری ہائے ظالم آسماں — الاماں از جورِ چرخِ فتنہ پرور الاماں
پارہ پارہ می کند دل را بہ صمصامِ فراق

کارزارِ عشق کا ہر معرکہ ہوتا ہے سخت — ہمتِ عشاق پر موقوف ہے فتح و شکست
کہہ رہا تھا بیخودی میں یوں کوئی حسرت پرست — لذتِ احساسِ دردِ ہجر باسطؔ در دل است
از زبانم نیست ممکن شرحِ آلامِ فراق

پیامِ عاشق

ٹھہر بادِ صبا سن لے میں بیمارِ محبت ہوں　　مرا پیغام لیتی جا، گرفتارِ محبت ہوں
خطا میں کیا کہوں اپنی خطاکارِ محبت ہوں　　ہمیں خود اقبال کرتا ہوں گنہگارِ محبت ہوں

بیاں کرنا وہاں یوں مجھ پریشاں حال کی صورت
دکھا دینا زمیں پر سبزۂ پامال کی صورت

مسلّم تھی زمانے میں کبھی فرزانگی میری　　ہوئی ضرب المثل اس عشق سے دیوانگی میری
نمایاں اہلِ محفل پر ہوئی بیگانگی میری　　کہ شمعِ حسن پر موقوف ہے پروانگی میری

تو ہو سرگوشیٔ محفل کی لیکن کچھ خبر مجھکو
الٰہی جل کے مرجانا ہے مدِ نظر مجھکو

کہاں تک حال تو پوچھے گی ناکامِ محبت کا　　کہاں تک حال میں تجھ سے کہوں اپنی مصیبت کا
مجھے مجنوں کئے دیتا ہے غم شبہائے فرقت کا　　عیاں ہے جیب و دامن سے تقاضا میری وحشت کا

عبث ہے ذکرِ نام و ننگ، رسوائے زمانہ ہوں
خلاصہ یہ کہ میں تیرِ ملامت کا نشانہ ہوں

کسی کو مہر و الفت مجھ سے اب اصلاً نہیں باقی　　کوئی غمخوار باقی ہے نہ کوئی ہمنشیں باقی
ستانے کو فقط سر پر ہے یہ چرخِ بریں باقی　　ستم سہنے کو پہلو میں دلِ اندوہگیں باقی

مگر مجھکو محبت اسکی ہے باقی نہیں جاتی
یہ صورت ہے کہ اب صورت مری دیکھی نہیں جاتی

غضب ہے بیکسی میری کہاں سے نامہ بر لاؤں　　کبوتر کوئی خط لے جانے کو آخر کہاں پاؤں
زبانی حال میں کس سے کہوں، ہاں کسکو سمجھاؤں　　تجھے دیکھا تو بس دل نے کہا تجھ سے ہی کہہ جاؤں

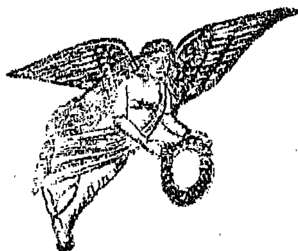
ٹھہر باد صبا سن لے۔ مرا پیغام لیتی جا
کیسا ہوگا۔ دعائے عاشق ناکام لیتی جا

نہیں کہتا ہوں میں تجھسے تغافل کا گلا کرنا   نہیں کہتا ہوں تجھسے شکوہ جور و جفا کرنا
بلائیں زلف کی لینا۔ گلے ملنا۔ دعا کرنا   میں کیا بتلاؤں اسکو مہرباں پانا تو کیا کرنا

قصور اس میں نہیں ٹھہریگا اے باد صبا تیرا
سنا دینا جو کہتا ہے دل درد آشنا میرا

جفا کاری جفا کیشی جفا کوشی رہے یوں ہی   کہا یا ہے اگر تجکو فراموشی رہے یوں ہی
دعا ہے بادہ عشرت کی ہم نوشی رہے یوں ہی   جواب نامہ کیوں بھیجینگے خاموشی رہے یوں ہی

نہیں ہے شرط لیکن اس گھڑی بھی آہ کر دیگی
خبر سن پائیں جب باد صبا وہ میرے مرنیکی



محبت

حرم میں دہر میں چلتا ہے وہ جام محبت ہو — ہر اک شیخ و برہمن بادۂ آشام محبت ہے
شہنشاہ و گدائے بے نوا آرام محبت ہو — نہیں معلوم کیا نام خدا نام محبت ہے

زباں سے اہل دل کہکر اسے خرسند ہوتے ہیں
محبت ہے جو شیریں ذکر سے لب بند ہوتے ہیں

دل وامق سے پوچھے ہائے کوئی حسن عذرا کا — دل مجنوں سے پوچھے کوئی سودا زلف لیلیٰ کا
دل فرہاد جانے حال شیریں کے دل آرا کا — فسانہ بھول سکتا ہے کہیں عشق زلیخا کا

محبت کیلئے لازم یہی ہے ظرف عالی ہو
پیے خون جگر۔ ساقی کی تصویر خیالی ہو

اثر سحر محبت کا نہیں ہے صرف انساں پر — تسلط اس نے پایا ہے جہاں میں قلب حیواں پر
اگر کبک دری صدقے ہوا ماہ درخشاں پر — گنوائی جان پروانے نے بھی شمع شبستاں پر

کسی نے ہائے یہ طرح محبت کس طرح ڈالی
زمیں ہو۔ آسماں ہو۔ اسکے جلوے سے نہیں خالی

حباب موج کا ماہی کی خاطر جام اچھا ہے — سمندر کے لئے دو آتشیں گلفام اچھا ہے
رگ گل کا اگر بلبل کی خاطر دام اچھا ہے — پئے قمری چمن میں سرو خوش اندام اچھا ہے

محبت کی غلامی کا گلے میں طوق رہتا ہے
ہمیشہ نغمۂ حق سرہ کا ذوق رہتا ہے

نہ پوچھو حال تم ہللہ نا کام محبت کا — کہ صید جاں بلب پابستہ ہوں میں دام محبت کا
نہ چھیڑو تذکرہ للہ ایام محبت کا — مری صبح محبت کا مری شام محبت کا

مری پہلو میں پنہاں ہیں دلِ ناکام کے ٹکڑے
کلیجے سے لگائے ہوں شکستہ جام کے ٹکڑے

شمع

شمعِ محفل سُن کے حالِ زار یہ روتی رہی
آنسوؤں سے مُنہ بھری محفل میں شب بھر دھوتی رہی
تھوڑی تھوڑی اس غمِ جانکاہ سے ہوتی رہی
سر بہت دھنتی رہی جانِ حزیں کھوتی رہی

پھر کہا پروانۂ جانباز سے رو کر خطاب
ای سراپائے تپش اے پیکرِ وقفِ اضطراب

تجھ سے بڑھکر مجکو تیرا اشتیاق دید ہے
شام سے جلنا مرا اس بات کی تائید ہے
رات بھر میری گریہ ہے گویا مجکو روزِ عید ہے
میرا جلنا تیرے جلنے کی مگر تمہید ہے

کون نکلا شام کو پہلے تلاشِ یار میں
دیکھ کتنا فرق ہے میرے ترے آثار میں

جان دینے میں اگر تو اس قدر بیباک ہے
آفریں ہمت کو لیکن کس لئے غمناک ہے
جل کے پھول انسوؤں سے تو سراسر پاک ہے
سُرمۂ نورِ نظر اکسیر تیری خاک ہے

ہو فنا فی العشق تو عاشق کا بیڑا پار ہے
اپنی ہستی کو مٹا دینا ہی وصلِ یار ہے

یاد رکھ روزِ ازل ہی سے ہے مجھے تیری لگن
میری دلسوزی کی شاہد ہے یہ میری انجمن
آتشِ الفت سے میرا جل رہا ہے تن بدن
کہہ گیا ہے ٹھیک کوئی شاعرِ شیریں سخن

عشق اول در دلِ معشوق پیدا میشود
تا نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

راز و نیاز

(پروانہ)

آکے محفل میں کہا پروانہ جانباز نے شمع سوزاں مجھکو پھونکا تیرے سوز و ساز نے
جان میری لے لی تیرے دلربا انداز نے نازبرداری سکھائی مجھکو تیرے ناز نے

حسن دل افروز نے تیرے یہ دیوانہ کیا
تجھکو شمع جانفزا اور مجھکو پروانہ کیا

کون دنیا کو کہے یہ پردۂ ظلمات ہے روز روشن سے بھی بڑھکر تیرے دم سے رات ہے
نور گستر عرصۂ عالم میں تیری ذات ہے واہ کیا کہنا ترا کیا بات ہے کیا بات ہے

میں تصدق جان و دل سے تیرے جلوہ بار پر
چاندنی چھٹکی ہوئی ہے ہر در و دیوار پر

تیری نظروں میں کوئی اپنا نہ کوئی غیر ہے جلوہ افروز حرم ہے رونق افزائے دیر ہے
دوستی مومن سے ہے کافر سے نہ کوئی بیر ہے فیض تیرا عام ہے تو تو مجسم خیر ہے

رات بھر جلتی رہی لیکن وہی اک نور ہی
جس جگہ روشن رہی تیری برابر ضو رہی

ٹوٹے پھوٹے گھر میں یا تو شاہوں کے ایواں میں جلی بزم عشرت میں جلی تو بزم خوباں میں جلی
حلقۂ زہاد میں یا تو بزم رنداں میں جلی محفل ماتم میں تو گور غریباں میں جلی

فیض پہونچانے سے کب اے شمع تجکو عار ہے
ہر کس و ناکس کی خاطر ہر طرح تیار ہے

عابدوں کو فیض پہنچانا ترا دستور ہے ہاں گنہگاروں کی خاطر بھی تجھے منظور ہے

تو طرفداری کرے یہ بات تجھسے دور ہے   ادنیٰ و اعلیٰ سے حصہ میں برابر نور ہے

رات بھر اچھا برا کیا دیکھتی رہتی نہیں

ہے زباں لیکن کسی کا راز تو کہتی نہیں

میری پیاری شمع تو بیشک سراپا نور ہے   ہاں یہ سمجھا تو کسی کا جلوۂ مستور ہے

برقِ سینا میری خاطر تو چراغِ طور ہے   میں کوئی موسیٰ ہوں جل مرنا مجھے منظور ہے

مجھ سے پوچھے تو یہی ہے ایک اسرارِ زندگی

سوزِ الفت میں جلا دے اپنا سازِ زندگی

میری الفت کو مگر تو آزماتی ہے کبھی   مجھکو تڑپاتی ہے ظالم تو ستاتی ہے کبھی

پردۂ فانوس میں تو بیٹھ جاتی ہے کبھی   دور ہی سے جلوۂ عارض دکھاتی ہے کبھی

سامنے معشوق ہو عاشق مگر پیچھے رہو

کھیلتے ہو جان پر قیدوں سے لیکن دور ہو

میں شریکِ بزم تیرا ہر جگہ ہمدم رہا   تجھکو روتا دیکھکر میں خود بھی وقفِ غم رہا

کیا کہوں گریاں رہا یا دیدۂ پرنم رہا   دم ترا بھرتا رہا جبتک کہ دم میں دم رہا

لے جل مرنے کے بھی الفت تری دل میں رہی

میں نہ تھا تو خیر میری خاک محفل میں رہی

صاف روشن ہے کہ مجھکو عشق کا آزار ہے   میری صورت سے مگر تو ہر طرح بیزار ہے

وصل سے میرے تجھے کس واسطے انکار ہے   پھونک دینے کیلئے کیوں ہر گھڑی تیار ہے

میں نہیں کرتا ہوں تجھسے بے رخی کا کچھ گلا

اتنا کہدے کیا یہی ہے سوزِ الفت کا صلا

حسرتِ دید

مسیحا دیکھ لے آکر نہایت حال ابتر ہے — خبر تجھ کو نہیں ہوتی، لبوں پر جان مضطر ہے
تنِ لاغر کی یہ صورت ہے، گویا تارِ بستر ہے — سرِ بالیں وہ ہنگامہ بپا ہے، شورِ محشر ہے

وفورِ غم سے کیا کیا مونس و غمخوار روتے ہیں
عبث ہے ذکرِ انساں جب در و دیوار روتے ہیں

عیادت کو مری اک خلق آئی تم بھی آ جاتے — نگاہِ کیف پرور سے مجھے بیخود بنا جاتے
یہ کب کہتا ہوں تم کچھ منہ سے کہتے اور چلے جاتے — فقط اتنی تمنا تھی مجھے صورت دکھا جاتے

میسر گر دمِ آخر تمہاری دید ہو جاتی
خدا شاہد ہے مرتے مرتے مجھ کو عید ہو جاتی

بہت مضطر کئے ہے دردِ دل دردِ جگر مجھ کو — ڈبوئیگی تمہاری یاد میں یہ چشمِ تر مجھ کو
غضب ہے ہوش ہی آتا نہیں دو دو پہر مجھ کو — یہ عالم بیخودی کا ہے نہیں اپنی خبر مجھ کو

مگر جب ہوش آتا ہے تمہارا نام لیتا ہوں
اگر کچھ ہاتھ اٹھتے ہیں کلیجہ تھام لیتا ہوں

سرِ بالیں ہزاروں ہیں مجھے ہے آرزو تیری — معطر ہو مشامِ جاں صبا لے آئے بو تیری
دمِ آخر نگاہِ شوق کو ہے جستجو تیری — مگر صورت نظر آتی نہیں اے خوبرو تیری

نہیں کہتا مجھے تو زہر دیتا یا دوا دیتا
مگر ہنس ہنس کے تو اپنے ہی ہاتھوں سے پلا دیتا

مصیبت دل کو ہے آفت ہماری جان سہتی ہے — بیاں ہو کس طرح تجھ سے جو حالت اپنی ہوتی ہے

ہمارے دیدۂ پرنم سے نہر اشک بہتی ہے　　زبان حال سے لیکن نگاہ یاس کہتی ہے

دم آخر پلا دے شربت دیدار مرتے ہیں
خبر لے او مسیحا اب ترے بیمار مرتے ہیں

نہ آئے دیکھنے کو کچھ تو ہوگی تمکو مجبوری　　مگر ہم سے بتائے کون آکر وجہ معذوری
نہ ہو یہ حسرت دیدار اگر ہوتی نہیں پوری　　نہ اٹھے گر نہیں اٹھتا ہے ظالم پردۂ دوری

دم آخر بھی کب ہم شکوۂ بیداد کرتے ہیں
تمہیں کو یاد کرتے تھے تمہیں کو یاد کرتے ہیں

ہماری جان نکلے گی مگر مشکل سے نکلے گی　　صدائے ماتم و شیون ابھی محفل سے نکلے گی
تمنائے دلی میری نہیں اب دل سے نکلے گی　　کہیں یہ لیلی پردہ نشین محمل سے نکلے گی

زبان سے اب تمہارا نام بھی کم کم نکلتا ہے
خبر تمکو نہیں ہوتی ہمارا دم نکلتا ہے

وہ میری نبض ڈوبی وہ گئی تاب و تواں میری　　ہوئی جاتی ہے آخر بند وہ دیکھو زباں میری
ہوئی خاموش وہ لب پھر گئیں وہ پتلیاں میری　　وہ دیکھو مائل پرواز ہے روح رواں میری

ہوا لبریز وہ دیکھو ایاغ زندگی میرا
وہ دیکھو بجھ گیا آخر چراغ زندگی میرا



پپیہے کی کوک

سکھی دیکھ برکھا کی رُت آگئی — مرے سر پہ کالی گھٹا چھا گئی
یہ کالی گھٹا بھی ہے کیا شام رنگ — جسے دیکھ کر برج باسی ہیں دنگ
مجھے کیا جو پڑتی ہے ننھی پھوار — پیا جب نہیں پاس کیسی بہار
تڑپ کر وہ بجلی بھی تڑپا گئی — مری جان ہونٹوں پر آ گئی
ہے دیپک سے بڑھ کر پپیہے کا راگ — اری لگ گئی میرے سرتن میں آگ
نہیں جھوٹ اس میں ذرا اے سکھی — یہ سچی ہے پاپی بڑا نردئی

کلیجے میں اٹھتی ہے رہ رہ کے ہوک
مری جان لیگی پپیہے کی کوک

کہیں دیکھتی ہوں میں کھمبے گڑے — کہیں ہیں درختوں میں جھولے پڑے
کوئی بیٹھی جھولے پہ کرتی ہے کھیل — کسی نے کسی کو دیا ہے ڈھکیل
سناتی ہے کوئی جو ساون کے گیت — رُلاتی ہے مجھکو مرے پی کی پریت
کہیں شام سے ہی جو ہلکی پھوار — مگن ہے کوئی گا رہی ہے ملہار
مزہ کر رہے ہیں منڈیروں پہ مور — درختوں پہ کوئل مچاتی ہے شور
لگاتی ہے پاپی یہ "پی پی" کی رٹ — سکھی کوئی یہ بھی ہے تریا کی ہٹ

کلیجے میں اٹھتی ہے رہ رہ کے ہوک
مری جان لے گی پپیہے کی کوک

دکھی ہوں سکھی ہوں دکھی ہوں دکھی — کبھی اے سکھی میں بھی ہونگی سکھی

میں روتی ہوں اسکو مری پر نہیں — نہیں تو پہنچتی کہیں سے کہیں
ہواؤں میں اُڑتی یہاں سے وہاں — سکھی کیا بتاؤں کہاں سے کہاں
کہے جاتی "پی پی" پپیہے کے ساتھ — کہیں مل ہی جاتے مجھے میرے ناتھ
یوں ہی کاٹ دیتی یہ برسات میں — تڑپتی یوں ہی ہائے دن رات میں
وہ آواز کانوں میں پھر آ گئی — سکھی دیکھ پھر مجکو تڑپا گئی

کلیجے میں اٹھتی ہے رہ رہ کے ہوک
مری جان لیگی پپیہے کی کوک

ہے آنکھوں سے اوجھل جو با سنداسانی — کھٹکا سے نہیں ہے سکھی میرا جی
کسی بات کی مجکو سدھ بدھ نہیں — اری ہو نہ جاؤں سٹرن میں کہیں
کہیں ایسے ہوتے سکھی میرے بھاگ — کہ جب پھونک سکتی برہ کی یہ آگ
گھر آنے میں سوامی نہ کرتے بچار — جلا دیتے مجکو سُنا کر ملار
سکھی کوئی کاہیکو چھوڑیگا دیس — جو پیتم کو جاکر سنائے سندیس
ارے سُن پڑی پھر وہ پی کی پکار — ہوئی بان سی میرے ہردے کے پار

کلیجے میں اٹھتی ہے رہ رہ کے ہوک
مری جان لیگی پپیہے کی کوک

یادِ ایام

یادِ ایام کہ میں عشق سے بیگانہ تھا　　بلبلِ زار تھا دل اور نہ پروانہ تھا
ہاں تجھے یاد ہے جب دل کا عقل تھا فرزانہ تھا　　نہ تو مجنوں تھا نہ وحشی تھا نہ دیوانہ تھا

کامگاری سے مجھے کام تھا ناکام نہ تھا
نیکنامی سے سرو کار تھا بدنام نہ تھا

عیش ہی عیش نظر آتا تھا ہر سو مجھکو　　کشتیٔ مے کے نظارے تھے لبِ جو مجھکو
خوش مزاج اہلِ جہاں کہتے تھے خوش خو مجھکو　　دل تھا پہلو میں مرے اور تھا قابو مجھکو

راحت عیش و مسرت کی فراوانی تھی
کوئی مشکل نہ تھی ہر طرح کی آسانی تھی

غم سے آزاد تھا میں دل میں مرے درد نہ تھا　　آہ و نالہ نہ تھا۔ لب پہ نفس سرد نہ تھا
خون تھا جسم میں چہرہ بھی مرا زرد نہ تھا　　پھر بھی دس بیس میں اچھا تھا اگر فرد نہ تھا

ہائے روتوں کو ہنساتی تھی ظرافت میری
ہائے وہ کیا ہوئی پہلی سی طبیعت میری

دوست کہتے تھے مرے رونقِ محفل مجھکو　　اٹھنے دیتے تھے مرے یار نہ مشکل مجھکو
اتنے بد دل ہیں کہ [illegible] کرتے نہیں شامل مجھکو　　لے مرا کیا کہوں افسوس مرا دل مجھکو

اب تو باقی نہ رہا کہنے کو گویا ہوں میں
شکلِ تصویر ہوں یا نقشِ تمنا ہوں میں

یادِ ایام کہ تجھ حور شمائل سے ملا　　یادِ ایام کہ تجھ رونقِ محفل سے ملا
یادِ ایام کہ سفاک سے قاتل سے ملا　　دل مرا جانتا ہے تجھ سے میں کس دل سے ملا

یاد ایام کہ تجھ پر یہ طبیعت آئی
یاد ایام کہ دل آیا کہ قیامت آئی

چار ہوتے ہی نگاہیں کیا جادو تو نے   دل بسمل میں کیا تیر ترازو تو نے
ایک عالم سے چھوڑا کر کیا یکسو تو نے   اپنا ہی بندہ بنایا بت دلجو تو نے

تجھکو بدنام کیا عشق کی رسوائی کی
آستاں پر ترے اک عمر جبیں سائی کی

ایک دن میں ترے کوچے کے کئے سو پھیرے   بیکسی چار طرف رہتی تھی مجکو گھیرے
کچھ عجب لطف کے واللہ وہ دن تھے میرے   تذکرے رہتے تھے ہر بزم میں میرے تیرے

دل بسمل کے تڑپنے کا یہ انجام ہوا
بیوفا تو بھی وفادار ہوا رام ہوا

مجکو پیاری تھی وفا اور جفا بھی تیری   تیرا انداز بھی پیارا تھا ادا بھی تیری
چشم فتاں نگہ ہوش ربا بھی تیری   شوخیاں بھی تیری اے یار حیا بھی تیری

درد دل سے میں کہوں کیا مجھے کیا ملتا تھا
کچھ عجب طرح کا یہ رہ کے مزا ملتا تھا

یاد ایام کہ پھر تجھسے تو بیزار ہوا   یاد ایام کہ جینا مجھے دشوار ہوا
یاد ایام کہ پھر حال مرا زار ہوا   یاد ایام کہ پھر غم مرا غمخوار ہوا

یاد آیا ہم کہ تو کھینچ گیا قاتل کی طرح
ہاتھ سے جاتا رہا آئے ہوئے دل کی طرح

اے خوشا بخت کہ رہبر ہے مرا استہ مرا انداز   سوز پھر پیدا ہوا دل میں نہیں نام کو ساز

مرتے مرتے بھی ہونگے یوں ہی سرگرم نیاز　　رنگ پکڑیگا حقیقت کا مرا عشق مجاز

بت کا فر کی بدولت جو خدا مل جائے
عشق کا لطف محبت کا مزہ مل جائے

متفرق قطعات

شیخ ایسی بھی گھٹا جھوم کے اٹھتی ہے کہیں　　کہیں ایسی بھی بہار چمن ہوتی ہے
خرمن صبر پہ آخر وہ گری پھر بجلی　　توبہ توبہ مری توبہ شکنی ہوتی ہے

کیا کہیں آئے ہیں کیا دہر میں کرنے کیلئے　　صاف ظاہر ہے کہ اک روز گزرنے کیلئے
راز ہستی کا سمجھتے ہیں ہم اتنا باسط　　زندگی پائی ہے کس واسطے مرنے کیلئے

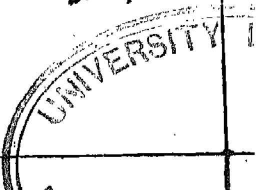
ملی ہے جاں جنھیں، جانِ زار کھوئینگے　　اجل کی نیند سبھی ایک روز سوئینگے
ہم اُن کو روتے ہیں گزرے جو سامنے اپنے　　ہمارے بعد جو آئینگے ہمکو روئینگے

بندہ کو شب و روز یہی فکر ہے لازم　　سرگرم اطاعت رہے آقا نہ خفا ہو
اپنا بھی مقولہ ہے یہی حضرت باسط　　دنیا ہو خفا بندے سے مولا نہ خفا ہو

کیوں نہو خادم ارباب ہنر ہوں کہ نہیں　　کیوں نہو معتقد اہل نظر ہوں کہ نہیں
دل کو تڑپاتے ہیں باسط جو مرے شعر تو کیا　　کونسی بات ہے، شاگرد جگر ہوں کہ نہیں



خاتمہ بالخیر



۷۸۶

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۱	سنہ ۱۹۱۶	سنہ ۱۹۱۳ء
۵	۱۸	سریع التا	سریع التاثیر
۶۵	۷	عرض	عرض حال
"	۱۰	دُنیا	رہبنا
"	۱۵	بھی	ہم بھی
۶۶	۲	کرتے کرتے سیر	سیر کرتے کرتے
۶۹	۱۳	احساس	احساس ہی
۷۵	۲	دِل کی	دِل سے
۷۷	۸	ہی	میں
۱۳۹	۸	تو	تُو
"	۱۴	ناز	ہائے
۱۵۰	۹	سے	پہ
۱۵۳	۱۴	اصلاح	اَصلا
۱۵۴	۳	آرام	رام

نوٹ۔ انضباط کی عبارت میں جناب قاضی صاحب کے نام کے ساتھ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب کتابت میں رہ گیا ہے۔

"صبح عید" مندرجہ صفحہ ۳۸ اور "رنگ بہار" صفحہ ۷۸ کے آخر کی غزلیں غلطی سے صفحہ ۳۳ اور صفحہ ۹۳ پر بالترتیب درج ہو گئی ہیں۔

صفحہ ۶۶ کے آخری شعر کے اوپر یہ شعر رہ گیا ہے ؎

جانتے ہیں خوب وہ اک روز مرنا ہو مزہ ٭ جکو بخشا ہے خدا نے دیدۂ باریک بیں

صفحہ ۱۵۰ میں جو نظم بعنوان "شمع" ہے "وہ راز و نیاز" مندرجہ صفحہ ۱۵۲ کا آخری حصہ ہے۔